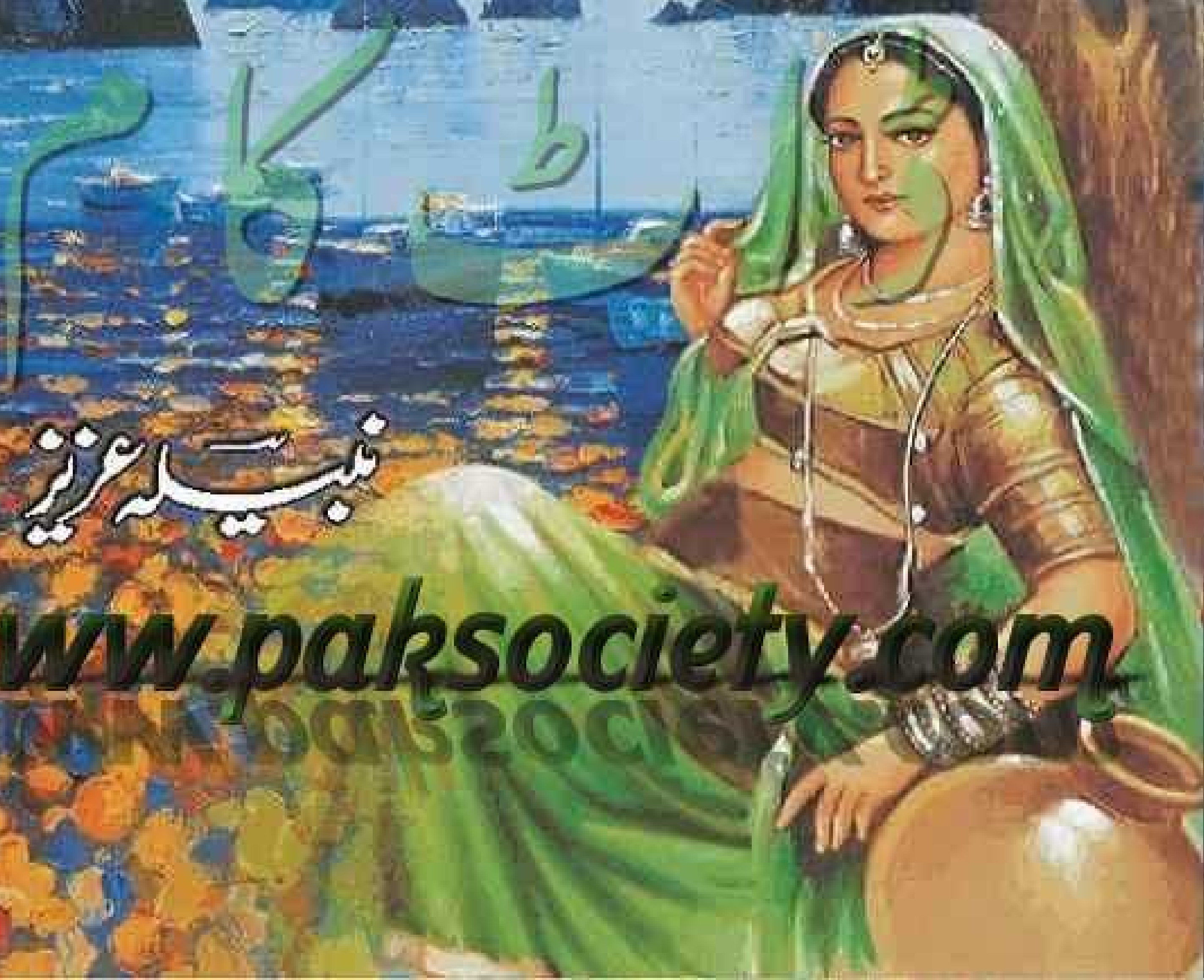
راحتِ دل ہے تو



راحتِ دل ہے تو

دور تک بچھی سیاہ تارکول کی سڑک اس وقت رات کے گھور اندھیرے میں گاڑی کی تیز روشنیوں سے اور زیادہ سیاہ اور چکنی محسوس ہو رہی تھی۔ انتہائی ہموار سطح پر پھسلتی گاڑی کو ڈرائیو کرتے ہوئے بھی گاڑی غیر متوازن ہو رہی تھی۔ اس نے سر جھٹک کر اپنے دماغ اور آنکھوں پہ غلبہ پانے والی نیند کو پیچھے دھکیلنا چاہا، لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی، کسی چیز کی تلاش میں اس کی نظر اپنے ساتھ فرنٹ سیٹ پہ بکھرے نسوانی وجود سے ٹکرائی۔ یہ وجود ایک گھنٹہ پہلے تک اس کے لئے اہمیت توجہ رکھتا تھا لیکن اب یہ وجود اس کے لئے ایک خالی ڈبہ، خالی بوتل یا پھر ایک استعمال شدہ ٹشو پیپر سے زیادہ اہمیت کا حامل نہیں تھا۔ وہ زندگی میں صرف ایک بار کسی کو اہمیت دیتا اور پھر فوراً ہی اس کو اس مقام سے گرا دیتا تھا۔ یہ وجود یونیورسٹی میں ہر آنکھ کی حسرت تھا لیکن کسی کو لفٹ نہیں کرواتا تھا۔ اب اس کے لئے کھوکھلا ہو چکا تھا کیونکہ اس نے اس کو ایک بار ''اہمیت'' دی تھی اور آج اس کو اہمیت کے اس مقام سے نیچے دھکیل دیا تھا۔ آج اس نے اس نسوانی وجود کو استعمال کر کے اپنی خواہش پوری کی تھی۔ اب اسے اس وجود سے کوئی غرض نہ تھی، اس لئے اسے نظر انداز کر کے اس نے اپنی مطلوبہ چیز تلاش کی جو اسے اپنے قریب ہی گری ہوئی نظر آ گئی۔ لائٹ گرین کلر کی شیشی کا ڈھکن کھول کر اس نے منہ سے لگالیا اور چند سیکنڈوں بعد بے حد کڑواہٹ کے باوجود غٹا غٹ چڑھا کر شیشی کو خالی کر کے گاڑی سے باہر پھینک دیا تھا اور گاڑی کی سپیڈ کو مزید بڑھا دیا لیکن شہر کی حدود میں داخل ہونے تک اس کے اعصاب دوبارہ سے جواب دے گئے۔ اب وہ سپیڈ کم کر کے احتیاط سے ڈرائیونگ کر رہا تھا مگر اس کی احتیاط پھر بھی کام نہ آسکی۔ ایک دھماکے سے سب کچھ چکنا چور ہوا، نسوانی وجود ایک چیخ کے ساتھ ہوش میں آیا اور پھر دوبارہ سے بے ہوش ہو گیا، وہ خود بھی بے حرکت پڑا تھا۔

''فریدون کہاں ہے؟ اب کیسا ہے؟ اسے ہوش آ گیا؟'' مقبول ہاشمی گاڑی سے اترتے ہی ایک ہی سانس میں پوچھتے چلے گئے۔

''آپ اندر تو آئیں۔'' شارقہ بیگم ساڑھی کا پلو سنبھالتی ہوئی آگے بڑھیں، ہاسپٹل کی طویل راہداری کو خاموشی سے عبور کرنا ان کے لئے جان لیوا ثابت ہو رہا تھا بلکہ ان کا تو گزشتہ پندرہ گھنٹوں سے یہی حال تھا۔ وہ پچھلے دس دنوں سے انگلینڈ میں تھے اور پندرہ گھنٹے پہلے ان کو فون پہ فریدون ہاشمی کے ایکسیڈنٹ کی اطلاع ملی تھی اور آج وہ رات تین بجے کی فلائٹ سے اسلام آباد واپس آ گئے تھے اور ایئر پورٹ سے سیدھے ہاسپٹل پہنچے تھے، جہاں شارقہ بیگم پہلے سے ان کی منتظر کھڑی تھیں۔

''جمال، فریدون کیسا ہے؟'' ڈاکٹر جمال کو دیکھتے ہی مقبول ہاشمی کی بے قراری بڑھ گئی۔

''دعا کرو، وہ ہوش میں آ جائے۔ اس کے سر پہ بہت گہری چوٹیں آئی ہیں۔'' ڈاکٹر جمال آج خلاف معمول وہاں موجود تھے۔ آخر فریدون ہاشمی ان کے دوست مقبول ہاشمی کا اکلوتا جگر پارہ تھا اور اس وقت وہ ایمرجنسی روم میں تھا۔ چوبیس گھنٹے گزرنے کے بعد بھی ہوش میں نہیں آیا تھا۔

''زیادہ پریشانی کی بات ہے؟'' مقبول ہاشمی اپنی بوکھلاہٹ اور فکر میں عجیب بچکانہ سوال کر رہے تھے۔

''دیکھو مقبول! وہ ہوش میں آ گیا تو تمام پریشانی ٹل جائے گی۔ اس وقت دوا کے ساتھ ساتھ دعا کی بھی سخت ضرورت ہے۔'' انہوں نے اپنے دوست کو تسلی دیتے ہوئے اس کا کندھا تھپکا پھر چند سیکنڈ بعد نرس ڈاکٹر جمال کو بلا کر ساتھ لے گئی۔ مقبول ہاشمی بے چینی سے ٹہلنے لگے مگر تھوڑی دیر بعد کچھ خیال آنے پہ ٹھہر گئے تھے اور شارقہ بیگم کے قریب ہوئے۔

''ایک بات بتاؤ شارقہ بیگم! یہ ایکسیڈنٹ ہوا کیسے؟'' یہ خیال ان کو جہاز میں سفر کے دوران بھی آ چکا تھا۔ خاموش بیٹھی مطمئن سی شارقہ بیگم اس سوال پہ لحظہ بھر کر ٹھٹک گئیں۔

''جیسے ایکسیڈنٹ ہوتے ہیں، ویسے ہی ہوا ہوگا۔'' انہوں نے لاپروائی ظاہر کرنا چاہی تھی۔

''میں یہ نہیں پوچھ رہا ہوں۔ میرا مطلب، رات کے تین بجے وہ گاڑی میں بیٹھا کہاں کا سفر کر رہا تھا؟'' وہ اپنی بات پہ زور دے کر بولے تھے۔

''وکی کے گھر اس کے بھائی کی انگیج منٹ پارٹی تھی اور فریدون انوائٹ تھا، اسی لئے دیر ہو گئی ہو گی۔'' شارقہ بیگم اپنے جواب پہ قائم تھیں اور مقبول ہاشمی اپنے سوال پہ۔

جس روڈ پہ اس کا ایکسیڈنٹ ہوا، وہ روڈ ہمارے گھر سے وکی کے گھر تک کہیں بھی نہیں آتا اور اگر فرض کر بھی لیں کہ وہ وکی کے گھر لیٹ ہو گیا تھا تو پھر اس روڈ پر کیسے جا پہنچا؟ وہ شارقہ بیگم کے قریب کھڑے ان کو گہری کھوجتی نگاہوں سے جانچ رہے تھے۔

''تو پھر وہ ہوش میں آ جائے تو آپ خود پوچھ لیجئے گا، میں کچھ نہیں جانتی۔'' وہ بے زاری سے کہتی ہوئی کمر کے پیچھے سے پلو نکال کر آگے بڑھ گئیں لیکن مقبول ہاشمی بات کی تہ تک جانا چاہتے تھے۔ ڈاکٹروں نے صبح ان کو تفصیل سے آگاہ کر دیا تھا اور تمام تفصیل جان لینے کے بعد مقبول ہاشمی غصے کی انتہا کو چھوتے ہوئے اپنی مٹھیاں بھینچ چکے تھے۔ ڈاکٹر جمال، مقبول ہاشمی کو فوراً ہی سب کچھ بتا دیں گے شارقہ بیگم کو اندازہ نہیں تھا، اسی لئے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے وہ جان ہی نہ سکیں کہ مقبول ہاشمی کس موڈ میں ہیں۔

''فریدون ہوش میں آیا یا نہیں؟'' وہ کپڑے تبدیل کرنے گھر گئی تھیں اور چار گھنٹوں بعد واپس ہاسپٹل آئی تھیں۔ مقبول ہاشمی نے گردن موڑ کر انہیں دیکھا۔

''خیریت، ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں آپ۔ فریدون ٹھیک تو ہے؟''

''جس کی ماں تم جیسی عورت ہو، وہ کیسے ٹھیک ہو سکتا ہے؟'' مقبول ہاشمی کرسی سے اٹھ کر ان کے مقابل آ گئے تھے۔

''کیوں، کیا ہوا ہے؟'' شارقہ بیگم کے ماتھے پہ سلوٹیں تھیں لیکن اس سے کئی گنا زیادہ سلوٹیں اور غصہ مقبول ہاشمی کے چہرے پہ نقش تھا۔

''مجھ سے پوچھتی ہوں کیا ہوا ہے۔ تم نے ہمیشہ اپنے اور اپنے بیٹے کے کالے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔ تم نے ہمیشہ مجھے دھوکہ دیا، تم نے تباہ کر دیا سب کچھ۔ جس چیز سے میں منع کیا تھا، تم نے وہی کیا اور وہی کروایا۔'' مقبول ہاشمی کا غصہ بہت بڑھ چکا تھا۔ شارقہ بیگم ان کے انداز تخاطب پہ ٹپٹا گئیں اور ڈاکٹر جمال بھی ٹھٹک سے گئے۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں آپ کو شاید......''

''جمال! میں نے، میں نے اس عورت سے شادی کی رات ہی کہہ دیا تھا کہ میں تمہارے سکھ اور آرام کی خاطر اپنا سکھ اور آرام گنوا دوں گا، میں تمہیں اپنا خون پسینہ بہا کر بھی سہولتیں مہیا کروں گا لیکن بدلے میں میرے ماں باپ کی عزت کرنا اور میری نسل کو سنوارنے کی کوشش کرنا۔ میری اولاد کی اچھی تربیت کرنا، میں تمہارے حق میں کوتاہی نہیں کروں گا۔ تم میری بات کی لاج رکھنا مگر جمال! میں...... میں آج بھی اپنے کہے پر قائم ہوں اور...... اور یہ...... یہ عورت میری بات تو کیا میرا گھر بار داؤ پہ لگا چکی ہے، اس نے میری نسل کو تباہی کے دہانے پہ پہنچا دیا ہے، برباد کر دیا ہے سب کچھ۔

پہلے یہ خود میری عزت روندتی رہی اور میں سمجھتا رہا شاید یہ کبھی پشیمان ہو کر سب کچھ چھوڑ دے لیکن اس نے تو بیٹے کو بھی اپنے رنگ میں رنگ ڈالا ہے۔ اب وہ بھی شراب اور شباب سے کھیل رہا ہے۔ آج اگر پریس کو اس بات کا پتہ چلے کہ فریدون کے ساتھ گاڑی میں ایک لڑکی بھی تھی اور دونوں نشے کی حالت میں تھے تو تم خود سوچ سکتے ہو میری پوزیشن کیا ہوگی؟ پہلے بیوی کلبوں میں نظر آتی رہی، اب بیٹا بھی ان ہی کلبوں میں دکھائی دینے لگا ہے۔ میں...... میں ان دونوں کو معاف نہیں کروں گا جمال! میں اس عورت کو برباد کر دوں گا۔ طلاق دے دوں گا اس عورت کو۔'' وہ کہتے کہتے یکدم دھاڑے تھے اور جمال شاہ انہیں سنبھالتے سنبھالتے پریشان ہو گئے۔

''مقبول پلیز یہ سب باتیں گھر کی باتیں ہیں اور یہ ہسپتال ہے، کیوں اپنا تماشا بنوانا چاہتے ہو؟''

''اس نے تماشا بنایا ہے مجھے، میں اس کو تباہ کر دوں گا، اس نے مجھے تباہ کیا ہے۔'' ان کا بس چلتا تو وہ شارقہ بیگم کو نفاست سے سنوارے گئے بالوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالتے لیکن انہیں ڈاکٹر جمال شاہ نے قابو کر رکھا تھا۔ شارقہ بیگم اس عزت افزائی پہ سرخ ہو چکی تھی۔



''سر! مسٹر فریدون ہاشمی ہوش میں آ چکے ہیں، آپ کو ڈاکٹر ظفر نے کال کیا ہے۔'' نرس نے دروازہ کھول کر اطلاع فراہم کی۔ ڈاکٹر ظفر ان سے جونیئر تھے۔ ڈاکٹر جمال شاہ اطلاع ملتے ہی فوراً کھڑے ہو گئے۔ مقبول ہاشمی بھی اٹھ گئے۔

''عین بیٹا انکل ہاشمی کے لئے ایک کپ چائے بھجوا دو۔'' انہوں نے کمرے سے نکلنے سے قبل نرس کو ہدایت جاری کی تھی۔

''جی ابھی بھجواتی ہوں۔'' وہ پلٹ گئی، ان چار دنوں میں وہ اتنا تو جان ہی گئی تھی کہ مقبول ہاشمی اور ڈاکٹر جمال شاہ میں کافی گہرے مراسم ہیں۔ اس نے فوراً ہی ان کے لئے چائے بھجوا دی اور خود اپنے مقررہ وقت پہ چلڈرن وارڈ میں ڈیوٹی پہ چلی گئی۔

''ہائے سویٹ ہارٹ کیا ہو رہا ہے۔'' اس نے ایک بیڈ کے پاس آ کر نرمی سے کہا۔ بیڈ پہ موجود بچہ اس کو دیکھ کر کھل اٹھا تھا۔ حالانکہ اس کے ہاتھ پہ ڈرپ لگی ہوئی تھی پھر بھی اسے دیکھ کر وہ سب بھول گیا۔

''میں کھیل رہا تھا اور پھر آپ آ گئیں۔''

''اوہ تو میں نے کھیل ڈسٹرب کر دیا آپ کا؟'' وہ اداسی سے بولی تو بچے نے فوراً نفی میں گردن ہلائی۔

''نہیں، میں نے یہ تو نہیں کہا تھا۔'' اس کی بات پہ وہ مسکرا دی اور پھر اس کے بال بکھیرتے ہوئے اسے بہت پیار اور احتیاط سے دوا کھلا دی۔

اب آپ یہ کھیل چھوڑیں، کل اکٹھے کھیلیں گے۔ یہ آپ کے آرام کا وقت ہے۔'' اس نے بچے کے ہاتھ سے گیم لے کر سائیڈ پہ رکھ دیا اور وہ بچہ مسکرا کر اس کی ہدایت پہ عمل کرتے ہوئے پلکیں موند گیا پھر وہ دوسرے بیڈ تک آ گئی۔

''ہیلو بے بی! آج آپ چپ کیوں ہو؟'' اس نے دوسرے بچے کا گال تھپکا۔

''آج میری ممی نہیں آئیں، آج پاپا آئے ہیں۔ وہ میرے پاس رکیں گے۔'' بچے نے اپنی افسردگی کی وجہ بیان کی۔

''تو اس میں اتنی اداسی کی کیا بات ہے۔ پاپا تو اتنے اچھے ہوتے ہیں، تمہیں پتہ ہے نا۔ پاپا ہی کپڑے اور چاکلیٹس لے کر آتے ہیں۔ آخر اتنا پیار کرتے ہیں وہ۔''

''لیکن وہ ممی کی طرح کہانی نہیں سناتے۔'' بچے نے جواز پیش کیا تھا۔

''تم جو کہانی ممی سے سنتے ہو، کیا وہ یاد بھی رکھتے ہو؟'' اس کے سوال پہ بچے نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''تو پھر یوں کیا کرو تم کہانی اپنے پاپا کو سنایا کرو تا کہ ان کا وقت اچھا گزر جائے۔ آج انہیں کہانی سنانی ہے، اوکے۔''

''اوکے۔'' بچے نے سر ہلایا۔ وہ بچے کو دوا کھلا کر پلٹی تو ٹھٹک گئی۔ قدم تھم گئے تھے۔ سامنے اس کا باپ کھڑا تھا اور مسکرا رہا تھا۔

''آپ کو ایک نرس نہیں، ایک ٹیچر ہونا چاہئے تھا کیونکہ یہ کوالٹیز آپ میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ آپ ایک بہت اچھی لیکچرار ہو سکتی ہیں۔'' وہ آدمی اسے سراہتی ہوئی توصیفی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''آپ اپنے بچے کے قریب رہنا اور اس کو پیار دینا سیکھیں۔ آپ ایک بہت اچھے باپ ہو سکتے ہیں، ورنہ بصورت دیگر آپ کا بچہ کبھی بھی آپ کے لئے ایک اچھا بیٹا ثابت نہیں ہوگا۔ اینڈ تھینک یو سو مچ۔'' وہ کہہ کے چلی گئی۔ وہ آدمی وہیں کھڑا بس دیکھتا رہ گیا تھا۔

''عین! تمہیں ڈاکٹر رخسانہ بلا رہی ہیں، ایک ایمرجنسی کیس آیا ہے، آپریشن ہے۔'' ایک دوسری جونیئر نرس نے اسے راستے میں ہی بتا دیا۔ وہ فوراً تیزی سے آپریشن تھیٹر کی طرف آئی تھی۔ ڈاکٹر رخسانہ جمال آپریشن کے لئے بالکل تیار تھیں۔



''عین الحق بیٹا! کہاں ہو، نماز کا وقت گزر رہا ہے......'' عظیم نیازی نے آہستگی سے آواز دی تھی۔

''آ رہی ہوں بابا، صرف ایک منٹ۔'' وہ کچن سے ہی جواب دے رہی تھی اور ٹھیک ایک منٹ میں وہ ان کے سامنے تھی۔

''آیئے اب وضو کر لیں۔'' وہ ان کی وہیل چیئر دھکیلتی ہوئی باہر لے آئی تھی اور ہمیشہ کی طرح ان کو وضو کروا کے بستر پہ بٹھا گئی، جہاں وہ اپنی معذوری کے باعث بیٹھ کے اللہ کے حضور سجدہ کرتے تھے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے، وہ بھی نماز ادا کر کے چائے بنا چکی تھی اور دونوں کپ لے کر ان کے کمرے میں آ گئی۔

''آج آپ خوش لگتے ہیں؟'' وہ ان کے چہرے پر چھایا خوشی کا ہلکا سا عکس با آسانی دیکھ سکتی تھی۔ وہ دونوں باپ بیٹی ایک دوسرے کے تاثرات جاننے میں ماہر ہو چکے تھے۔ وہ گھر میں داخل ہوتے ہی خوشی کا سایہ دیکھ چکی تھی لیکن استفسار ذرا دیر سے کر رہی تھی۔

''زبیدہ آپا کے ہاں عائلہ کا فون آیا تھا، وہ اپنی ساس کے ساتھ کل آرہی ہے اور اس کی ساس کسی پروپوزل کا بھی کہنے آرہی ہے۔'' عظیم نیازی اس بات پہ کیوں خوش تھے، عین الحق اچھی طرح جان سکتی تھی۔

''بابا! آپ پروپوزل کے چکر اور امیدیں دل سے نکال کیوں نہیں دیتے؟ آپ کو کافی اچھی طرح علم ہے جب اس غربت کی دیوی کو ہم پہ مہربان دیکھ کر آپ کی سگی بہن پیچھے قدم ہٹا چکی ہیں تو باقی لوگ تو پھر بے گانے اور پرائے ہیں، وہ ہمارا احساس کرنے کا کوئی حق اور حساس نہیں رکھتے، اور ویسے بھی میں شادی نہیں کروں گی مجھے آپ کے پاس رہنا ہے، آپ کی خدمت کرنا ہے۔'' وہ کہہ کر ان کا ہاتھ تھام چکی تھی۔

''لیکن بیٹا! اللہ تعالیٰ کچھ بھی کر سکتا ہے، جس طرح اس نے ہم پہ غربت بھیجی اسی طرح وہ ہم پہ بنا بتائے اپنا کرم بھی کر سکتا ہے بے گانوں کو اپنا کر سکتا ہے اپنوں کو بے گانہ کر سکتا ہے یہ سب اس کے اپنے اختیار میں ہے۔'' انہوں نے بیٹی کا ہاتھ تھپکا۔

''میں اس بات سے انکاری کب ہوں وہ بڑا غفور و رحیم ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے مگر ابھی دل کو احساس ہوتا ہے کہ ابھی ہماری آزمائش کا دورانیہ ختم نہیں ہوا ابھی کچھ مدت اور آزمائش کے پل صراط پر سے گزرنا ہے۔''

''خیر تم اللہ سے دعا کرو بہتری کرے اور ہاں کل جلدی آجانا اور کچھ تیاری بھی کر لینا۔'' انہوں نے پھر اسے اٹھتے دیکھ کر تاکید کی تھی اس نے مجبوراً سر ہلا کر دونوں خالی کپ اٹھا لئے۔

''جمال کیسا ہے کافی دنوں سے آیا نہیں اس طرف؟'' وہ ڈاکٹر جمال شاہ کے بارے میں استفسار کر رہے تھے۔

''پہلے کچھ مصروف تھے کل شام ایک میٹنگ کے لئے لاہور چلے گئے اب پتہ نہیں کب وہ واپس آئیں گے۔''

''اس سے کہنا تھوڑی فرصت نکال کر آجائے کافی دن ہو گئے اس کی صورت دیکھے۔'' عظیم نیازی دل گرفتہ ہو گئے تھے۔

''کیوں میری صورت میں تمہیں بھابی نظر آتی ہیں جو اس طرح افسردہ ہو کر کہہ رہے ہو؟'' جمال شاہ دروازہ کھلا ہونے کی بنا پر بغیر آہٹ کئے اندر آچکے تھے۔ عین الحق چونک کر مسکرا دی اور عظیم نیازی انہیں دیکھ کر جی اٹھے تھے۔ چہرہ چمکنے لگا تھا۔

''پگلے تجھے کیا پتہ تو میرے لئے کیا ہے، تو میرا کون سا اثاثہ ہے؟'' عظیم نیازی اپنی سامنے بیٹھے جمال شاہ کو بہت پیار بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

''آج بتا ہی دو کہ میں تمہارا کون سا اثاثہ ہوں؟'' جمال شاہ فریش موڈ میں تھے عین الحق کو دونوں کی باتوں میں دلچسپی محسوس ہوئی تھی۔

''میرے دکھ بھرے درد سے پر ماضی میں کوئی بھی خوشگوار اور قیمتی اثاثہ نہیں سوائے تمہارے، تم میرے ماضی کا اثاثہ ہو، عین الحق میرے حال کا اثاثہ ہے اور تم دونوں میرے مستقبل کا اثاثہ ہو یہی بات تم نہیں جانتے۔'' عظیم نیازی اپنے ہاتھ پہ دھرا جمال شاہ کا ہاتھ اپنے دوسرے ہاتھ سے دبا کر بولے۔

''عین الحق بیٹا! مبارک ہو تمہارا باپ اس عمر میں فلاسفر ہو گیا ہے!'' وہ شرارت سے بولے تو عظیم نیازی نے گھور کر دیکھا۔ وہ ہنستی ہوئی وہاں سے کھانا بنانے چلی گئی اسے معلوم تھا انکل جمال رات کا کھانا ان کے ساتھ کھا کر ہی جائیں گے کیونکہ وہ چائے سے انکار کر چکے تھے۔



''سر مسٹر فریدون ہاشمی میڈیسن لینے سے انکار کر چکے ہیں اور ڈرپ بھی نہیں لگانے دے رہے!'' نرس نے پرائیویٹ روم سے واپسی پہ شکایت کی۔

''کیوں؟ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟'' ڈاکٹر جمال کو تشویش ہوئی۔ وہ اس وقت ایک آپریشن کی تیاری میں مصروف تھے اس لئے اس کے روم میں جا کر پوچھنے کا ان کے پاس وقت نہیں تھا۔

''وہ کہتے ہیں ان کو ابھی گھر جانا ہے ان کے پیرنٹس کو بلائیں۔'' نرس نے تفصیل بیان کی۔

''پاگل ہے وہ!'' وہ سر جھٹک کے بولے تھے پھر پاس سے گزرتی عین الحق کو دیکھ کر بر وقت کچھ خیال آنے پہ روک لیا۔

''پلیز تم اس پیشنٹ کو ہینڈل کرو میڈیسن دو، اس کی میڈیسن کا ٹائم ہو رہا ہے جب تک ہم فارغ ہو جاتے ہیں۔'' وہ ذمہ داری اسے سونپ کر آپریشن تھیٹر میں چلے گئے تھے اور عین الحق ان کا حکم بجالاتی پرائیویٹ روم کا راؤنڈ لگانے آ گئی۔

''گڈ مارننگ! مسٹر فریدون ہاشمی!'' وہ سائیڈ کی کھڑکی کا پردہ سرکاتے ہوئے انتہائی نرمی اور آہستگی سے بولی تھی، لیکن فریدون ہاشمی کو یہ آواز بہت الگ اور بہت خاص لگی تھی اور اپنی سماعتوں کا وہم بھی۔ ہسپتال جیسی تکلیف دہ جگہ پہ ایسی مٹھاس ممکن نہ تھی۔

''کیا آپ سچ مچ سو رہے ہیں یا محض بہانہ ہے؟'' وہی آواز بند آنکھوں کے باوجود وہ اپنے بہت قریب محسوس کر رہا تھا اور اس سے پیشتر کہ وہ وہاں سے رخصت ہو جاتی فریدون ہاشمی نے یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ حقیقتاً آواز سن رہا ہے فوراً آنکھیں کھول دیں۔ وہ جیتے جاگتے منظر کی طرح جیتی جاگتی موجود تھی۔

خوب صورت، پرکشش، موٹی موٹی براؤن آنکھیں فریدون ہاشمی کو اک لحہ کو مبہوت سا کر گئیں۔ وہ اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔ وہ تھوڑا دور ہٹی تو فریدون نے اسے سر تا پا دیکھا اور یہ جاننے میں دیر نہ لگی کہ وہ ایک نرس ہے کیونکہ اس کا یونیفارم اس بات کا خود ثبوت پیش کر رہا تھا۔ ڈرپ پہلے سے تیار رکھی تھی، عین الحق نے بازو سے کپڑا ہٹا کر سرنج انجیکٹ کر دی لیکن اس کی محویت ہنوز تھی۔ اب وہ اسے میڈیسن دینا چاہتی تھی۔

''مسٹر فریدون ہاشمی میڈیسن کھا لیں پلیز!'' انتہائی نرم لہجے میں جیسے وہ کوئی دلکش التجا کر رہی تھی۔ خود کو مخاطب کرنے کی وجہ سے وہ ذرا سا چونک کر متوجہ ہوا تھا اور پھر نظر اس کی گلابی ہتھیلی پر ٹھہر گئی تھی۔

''مجھے میڈیسن اچھی نہیں لگتی۔'' وہ بالآخر بول پڑا۔

''میڈیسن ہمیں ٹھیک کرتی ہے، ہمارے درد ختم کرتی ہے زخم مٹاتی ہے ہمیں دوبارہ سے چلنے پھرنے کے قابل بناتی ہے اور ہم آسانی سے کہہ دیتے ہیں میڈیسن اچھی نہیں لگتی عجیب بات ہے آپ کی۔'' وہ مصنوعی خفگی کا اظہار کرتی بہت مہارت سے اسے دوا کھا لینے پہ آمادہ کر رہی تھی۔

''میں گھر جانا چاہتا ہوں۔'' وہ بیڈ پہ تکیوں کے سہارے بمشکل نیم دراز تھا۔

''تو چلے جائیں آپ کو روکا کس نے ہے؟ اٹھیں شاباش جائیں اپنے گھر۔'' اس نے بہت آرام سے فریدون کے اوپر اوڑھائی گئی چادر کو

ہٹایا تھا فریدون نے چونک کر اس عجیب سی نرس کو دیکھا جس کے چہرے پر چیلنج بہت واضح نظر آ رہا تھا۔ فریدون نے اپنی کہنی کے بل پہ اٹھنے کی کوشش کی اور زور لگانے کی وجہ سے کئی خاموش درد کی ٹیسیں اٹھیں درد کی لہریں بے تابی سے گردش کرنے لگیں وہ ناکام ہوتے ہوئے کراہ کر رہ گیا تھا۔ عین الحق کے چہرے پہ نرمی بکھر گئی۔

''کیوں لیٹ گئے اٹھے کیوں نہیں، آپ کو تو گھر جانا ہے؟'' وہ دوبارہ چادر اس کے اوپر ڈال چکی تھی اور دوا بھی اس کی طرف بڑھا چکی تھی۔

''اگر آپ جلد از جلد اپنے گھر جانا چاہتے ہیں تو یہ اچھی چیز کھانی ہوگی کیونکہ یہی اب آپ کا علاج ہے اس کے بغیر آپ یونہی بستر پہ پڑے رہیں گے اور اٹھنے کی محض کوشش کرتے رہیں گے۔'' اس نے انتہائی آرام سے دوا نگل لی تھی اور پھر چند سیکنڈ بعد وہ جا چکی تھی لیکن فریدون اسے سوچنے پہ مجبور ہوا تھا۔ نجانے کیوں؟



عائلہ اور اس کے بچے سے مل کر وہ بہت خوش ہوئی تھی لیکن عائلہ کی ساس کو دیکھ کر منہ بنایا تھا۔

''ایسے کیوں دیکھ رہی ہو، کیا ہوا؟'' عائلہ نے چھوٹی بہن کی خفگی پل میں محسوس کر لی۔

''کچھ نہیں آپ لوگ بیٹھیں میں وہیں آ رہی ہوں۔'' اس نے عائلہ کو بھی بابا کے کمرے میں بھیج دیا تھا اور پھر تھوڑی دیر بعد ٹرے لے کر وہاں چلی آئی تھی۔

''اچھا بیٹی اب کیا کرتی ہو؟'' نویدہ بیگم (عائلہ کی ساس) نے بہت پیار سے عین الحق سے پوچھا۔

''وہی جو پہلے کرتی تھی۔'' اس نے بھی جواب میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔

''ہائیں! یہ عائلہ تو کہہ رہی تھی تم وہ منحوس نوکری چھوڑنے والی ہو اور نئی نوکری کی تلاش ہے؟'' عین الحق نے چونک کر عائلہ کے جھوٹ پر عائلہ کو دیکھا تھا۔ اس دوران عظیم نیازی خاموش تماشائی بنے رہے۔

''وہ نوکری کیوں منحوس ہے؟'' اس نے نرسنگ جاب پہ بہت سے لوگوں کو اعتراض کرتے دیکھا اور سنا تھا اور ہمیشہ ہی لوگوں کی ذہنیت پہ غصہ آتا تھا اور آج نویدہ بیگم بھی اس کے غصے کو ہوا دے رہی تھیں۔

''ارے بیٹی تو نادان تھوڑی ہے؟ تجھے خود اچھی طرح علم ہے، تو خوب جانتی ہے کہ اس نوکری میں کیا ہوتا ہے حرام حلال سب چلتا ہے اس میں۔'' ان کی بات پہ عین الحق بھڑک اٹھی تھی۔

''جہاں تک کسی کی سوچ ہوگی وہ وہیں تک ہی سوچے گا، حرام حلال اس نوکری میں ہی نہیں سب میں چلتا ہے۔ اور حرام حلال چلانے والے بھی اسی معاشرے کا حصہ ہیں ایک انسان ہی دوسرے کو غلط راہ پہ ڈالتا ہے کرتوت زمانے والوں کے برے ہیں جو نرس ان کی مسیحا بن کے آتی ہے اس کو ہی بری نگاہ سے دیکھتے ہیں ''مسیحا'' کو اپنا ''مطلب'' بنا لیتے ہیں اور بعد میں اس پہ لعنت بھیجتے ہیں، حالانکہ لعنت ان کو اپنے آپ پہ بھیجنی چاہئے جنہوں نے اس مسیحا کو اچھائی کی بجائے برائی کی نظر سے دیکھا اور بعد میں بدنام بھی کیا اور ہم لوگ بھی سب کے ساتھ مل کر ایسا کرنے میں

پیش پیش ہوتے ہیں لیکن ایسا کرنے والوں کو یہ تو سوچ لینا چاہئے کہ ہمارے گھروں میں بھی بیٹیاں ہیں۔'' عین الحق تلخ ہوگئی تھی سب کہہ گئی اور نویدہ بیگم چپ ہو کے رہ گئیں عائلہ کا رنگ متغیر ہو چکا تھا عظیم نیازی الگ بے چین سے دکھائی دینے لگے تھے۔

''آپ لوگ بیٹھیں میں کھانے کا انتظام کرتی ہوں۔'' وہ وہاں سے اٹھ گئی۔ اور عائلہ کے بچے کو بھی ساتھ لے گئی۔ ان لوگوں کے درمیان کچھ دیر خاموشی چھائی رہی پھر عظیم نیازی نے ہی اس چپ کی زنجیر کو توڑا تھا۔

''ایاز کیسا ہے؟ وہ بھی آپ لوگوں کے ساتھ آجاتا تو ملاقات ہو جاتی اس سے۔'' انوں نے نرمی سے کہتے ہوئے ماحول کی ناگواریت کو خوشگواریت میں تبدیل کرنا چاہا تھا۔

''وہ فارغ نہیں ہوتا، دن رات کام کرتا ہے، گھر بار چلاتا ہے سو جھنجھٹ ہیں اس کی جان کو، لوگوں نے تو نوکریوں کو فیشن بنا لیا ہے حرام حلال کا فرق ہی نہیں رہا۔ ہمارے گھر کو دیکھو ہر کوئی حق حلال کما رہا ہے۔ نوکری کرتے اچھے برے کا خیال تو رکھنا چاہئے۔'' نویدہ بیگم کو ابھی تک عین الحق کا سخت لہجہ چبھ رہا تھا وہ دل کی بھڑاس نکالے بغیر جانے والی نہیں تھیں اور اگر چلی بھی جاتی تو یہ بھڑاس عائلہ پہ نکالے بنا تو تیسرا راستہ ہی نہ تھا ان کے پاس......

''بہن جی! حق حلال تو ہر کوئی کما رہا ہے کسی کا بھی اتنی آسانی سے حرام کا کھانے کو دل نہیں چاہتا کچھ شیطان کی کارستانی ہوتی ہے اور کچھ ہمارے نفس کی کمزوری مگر اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں حلال کا نوالہ دیا ہوا ہے ہمیں دعا کرنی چاہئے اللہ یہ نوالہ سب کا نصیب کرے۔'' عظیم نیازی انتہائی تحمل پسند اور بردبار طبیعت کے مالک تھے۔ کڑی سے کڑی بات کو بھی بہت آسانی اور روانی سے درگزر کر دیتے تھے۔

''بابا وہ آنٹی آپ سے عین الحق کے لئے بات کرنے آئی تھیں۔'' عائلہ نے دوسرے مسئلوں کو زیادہ گھمبیر ہوتے دیکھا تو فوراً مطلب کی بات چھیڑ ڈالی تھی نویدہ بیگم نے تیوری چڑھا کر بے نیازی سے پہلو بدلا۔

''بھائی صاحب! میں تو اس لئے بات کرنے آئی تھی کہ آپ کی بیٹی یہ نرسوں والی دو ٹکے کی نوکری چھوڑ چکی ہے اور میری بہن اپنے بیٹے کے لئے کسی مناسب لڑکی کی تلاش میں ہے اس لئے سوچا اس کی تلاش ختم کر دیتی ہوں اور آپ کا بوجھ کم کر دیتی ہوں لیکن آپ کی بیٹی تو لگتا ہے اس نوکری میں کچھ زیادہ ہی ''گھل مل'' گئی ہے، چھوڑنے کا نام ہی نہیں لے رہی ہے۔'' وہ بہت ناپ تول کے بول رہی تھیں۔ عظیم نیازی کو چند الفاظ ان کی بات کے دوران بہت گراں گزرے مگر بڑی بیٹی عائلہ کی وجہ سے ان کو زبان بند رکھنی پڑی تھی، آخر وہ ان کی بیٹی کی ساس اور داماد کی ماں تھیں۔

''آنٹی وہ بہت جلد جاب چھوڑ دے گی شادی کے لئے تو اس نے جاب چھوڑنی ہی ہے۔'' عائلہ نے مداخلت کر کے بات کو کچھ سنبھالنے کی کوشش کی۔ وہ اس پر پوزل کو جانے نہیں دینا چاہتی تھی۔

''ارے نہ بہو میں نہ لوں یہ رسک۔ میری بہن کو ابھی معلوم نہیں کہ لڑکی نرس ہے ورنہ وہ بات چھیڑنے کا ہرگز نہ کہتی اور تمہاری بہن تو بات بھی نہیں کرنے دے رہی ہے۔'' نویدہ بیگم کانوں کو ہاتھ لگا چکی تھیں اور عظیم نیازی لب بھینچ کر رہ گئے تھے۔

کھانا کھانے کے بعد وہ لوگ چلی گئیں

عائلہ تو رکنا چاہتی تھی لیکن ساس صاحبہ کے تیور کچھ ٹھیک نہ دیکھ کر اسے جانا پڑا۔

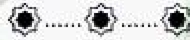
''پلیز بابا! کیوں پریشان ہوتے ہیں؟ آپ کو اسی لئے کہتی ہوں فضول مسئلوں پہ سوچنا چھوڑ دیں۔'' وہ ان کے بستر پہ آ بیٹھی تھی اور ان کے دونوں ہاتھ پکڑ کر نرمی سے کہہ رہی تھی۔

''یہ فضول مسئلے نہیں ہیں میری جان! تم خود سوچو میں ایک بیمار انسان ہوں، کسی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے زندگی کی ڈور انسان کے ہاتھ سے کب چھوٹ جائے گی انسان نہیں جان سکتا اسی لئے سوچتا ہوں میرے ہاتھ سے یہ ڈور چھوٹنے سے قبل ہی تو محفوظ ہاتھوں میں چلی جائے۔ تجھے میں اپنی آنکھوں سے رخصت ہوتے ہوئے دیکھوں گا تو سکون آ جائے گا۔'' ان کی اتنی سفاک بات پہ اس کے دل پہ چوٹ تو پڑی تھی لیکن اس نے پلکوں کو نم نہیں ہونے دیا تھا اگر وہ اس کو روتے دیکھ لیتے تو دکھی بھی ہوتے اور سرزنش بھی کرتے۔ انہوں نے آج تک عین الحق اور عائلہ کو رونے نہیں دیا تھا ان کے خیال میں کمزور لوگ روتے ہیں اور بہادر لوگ ڈٹ کر ہر چیز کا مقابلہ کرتے ہیں اور صرف اللہ سے مدد اور اس کا کرم مانگتے ہیں۔ عین الحق بھی اس وقت روئی تھی جب ماں کی ڈیتھ ہوئی تھی جب باپ معذور ہوا تھا، جب عائلہ رخصت ہوئی تھی وہ صرف اپنے مژگاں ہی نم کر سکی تھی چھم چھم نیر نہیں بہائے تھے کیونکہ آنسو اس کے بابا کو اچھے نہیں لگتے تھے۔

''بابا! یہ زمانہ بہت سفاک ہے یہاں کسی کو حسب خواہش نہیں ملتا ہاں وہ ضرور ملتا ہے جس کی خواہش نہیں ہوتی۔'' اس کا لہجہ بھیگا تھا۔

''مایوس نہیں ہوتے بیٹا اللہ بہتر کرے گا۔''

انہوں نے بیٹی کو دلاسہ دیا تھا اور سمجھانے لگے تھے، یہی تو ان دونوں باپ بیٹی کی خوبی تھی ایک حوصلہ ہارنے لگتا۔ ہمت کا دامن چھوڑنے لگتا تو دوسرا دوبارہ سے ہمت بندھا دیتا تھا اور کمزور پڑنے والا دوبارہ سے مضبوط اور پر عزم ہو جاتا تھا۔ عین الحق سر ہلا کر وہاں سے اٹھ گئی تھی۔



وہ پورے پانچ دن بعد اس نرس کو دوبارہ اپنے کمرے میں دیکھ رہا تھا۔ ان پانچ دنوں میں ایک بار بھی اسے اس نرس کا خیال نہیں آیا تھا حالانکہ جس روز اس نے اس نرس کو دیکھا تھا اس روز دیر تک اسے سوچا تھا لیکن اگلے دن اسے یکسر بھلا دیا تھا۔ وہ اس کے زخموں کی ڈریسنگ کرنے آئی تھی۔

''ہاؤ آر یو مسٹر فریدون ہاشمی؟'' بالکل پروفیشنل انداز تھا اس کا تاکہ اسے باتوں میں الجھا کر وہ بینڈیج کر دے۔

''آپ کو میرا حال پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں اس لئے فارملٹی بھی مت نبھائیں آپ کو میری بینڈیج کرنی ہے سو کر لیں۔'' وہ لاپروائی سے بولا تھا۔ عین الحق ذرا سا چونکی پھر مسکرا دی تھی۔

''کافی ذہین لگتے ہیں۔'' اس نے ذرا سا جھک کر فریدون کے بازو کی ڈریسنگ کھول کر دوبارہ سے کرنی شروع کی۔

''آپ کافی گڈ لکنگ ہیں اور چارمنگ بھی۔'' وہ اپنی فطرت کے مطابق اپنے دل و دماغ میں ابھرنے والی بات کو دبا نہیں سکا تھا اس لئے برملا کہہ دیا تھا، لیکن یہ عین الحق کو بہت ناگوار گزرا تھا اور ٹھٹکی، اس کا ہاتھ بھی رکا پھر اس نے سر جھٹکا اور اپنے کام پہ دوبارہ توجہ دی۔ وہ فریدون ہاشمی کے اتنے قریب ہونے پر اس کی بے باک آنکھوں کے پرتپش حصار کو باآسانی محسوس کر رہی تھی اور جلد وہاں سے ہٹ جانا چاہتی تھی اور دوبارہ کبھی بھی اس روم میں آنا نہیں چاہتی تھی۔ فریدون اس کی پلکوں پہ نگاہیں جما کے رہ گیا تھا۔ اس کی جھکی پلکیں بے حد گھنیری لانبی اور مڑی ہوئی ہونے کی وجہ سے

بے حد دلکش لگ رہی تھیں، بے اختیار ان کو چھو لینے کی خواہش دل میں جنم لے بیٹھی اور وہ اپنے دائیں ہاتھ کو حرکت دے بیٹھا لیکن انگلیوں کو گھنیری پلکوں تک رسائی حاصل نہ ہو سکی۔ اس کی اس حرکت سے قبل ہی دروازہ کھلا تھا اور فریدون کا ہاتھ فوراً پہلو میں آ گرا، تب تک وہ بینڈیج کر کے سیدھی ہو چکی تھی۔ سامنے مقبول ہاشمی کھڑے تھے۔

''جمال راؤنڈ پہ آیا تھا؟'' انہوں نے بیٹے سے دریافت کیا۔

''نو'' وہ مختصر کہہ کے خاموش ہو رہا تھا۔

''اچھا پھر میں اس سے بات کر کے آتا ہوں'' وہ دوبارہ پلٹ گئے تھے فریدون نے عین الحق کے چہرے پہ واضح ناگواری محسوس کی تھی وہ اب کافی تیزی سے ہاتھ چلا رہی تھی۔

''کیا آپ کا نام جان سکتا ہوں؟'' اس نے ٹھہرے ہوئے پرسکون انداز میں دریافت کیا۔

''سب لوگ سسٹر کہہ کر مخاطب کرتے ہیں'' وہ اس کے لئے ٹیبلٹ نکال رہی تھی جواباً لفظ چبا کر بولی تھی۔

''میں آپ کا پروفیشنل نام نہیں آپ کا اصل اور ذاتی نام پوچھ رہا ہوں'' وہ یوں اتنے پرسکون انداز میں پوچھ رہا تھا جیسے وہ اس کو باآسانی بتا دے گی۔

''مسٹر فریدون ہاشمی ہمارے کام میں نام کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی ہمارا کام صرف خدمت کرنا ہوتا ہے اور جو بھی نرس یا سسٹر کہہ کے پکارے فوراً اس کی خدمت میں حاضر ہو جاتے ہیں کیونکہ یہی ہمارا کام اور یہی ہمارا نام ہوتا ہے'' وہ کہہ کے اطمینان سے مڑی تب تک فریدون کے تین عدد فرینڈ حارث، سائم اور وکی اندر داخل ہو چکے تھے، تینوں نے بیک وقت عین الحق کو دیکھا تھا۔

''اوہ؟'' سائم نے فریدون کو معنی خیز نظروں سے دیکھ کر ہونٹ سکیڑے اور اپنے ''اوہ'' کو کچھ لمبا کھینچا تھا، باہر نکلتی عین الحق کے تن بدن میں شعلے سے لپک گئے تھے۔

فریدون ہاشمی اپنے حلقہ احباب میں بے حد نمایاں مقام رکھتا تھا اس کے دوست اور قریبی جاننے والے اسے اپنی تمام بری عادات کی وجہ سے استاد مانتے تھے کیونکہ اپر کلاس میں اس وقت اس جیسا ضدی تنک چڑھا، خوب صورت، اکلوتا اور ساتھ ہی بگڑا ہوا کوئی دوسرا امیر زادہ نہیں تھا اور اگر تھے بھی تو اس کے مقابلے کے ہرگز نہ تھے، یہی وجہ تھی کہ وہ یونیورسٹی اور صنف نازک میں زیادہ پاپولر تھا لڑکیاں اس کی طرف راغب نظر آتی تھیں اور وہ اس بات سے بھرپور فائدہ اٹھاتا تھا اپنی چوبیس سالہ زندگی میں اب تک وہ کتنے ہی شکار کر چکا تھا اور لڑکیاں اس کے سامنے اپنا سب کچھ ہار کر بھی بے پناہ خوش ہوتی تھیں، لیکن فریدون آج تک خود کبھی کسی کے آگے نہیں ہارا تھا اسی بات پہ وہ فخر کرتا تھا اور اس کے فرینڈز اس کی اتنی خوش قسمتی پہ رشک کرتے تھے کہ وہ ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تنہا جائیداد کا وارث، پھر خوب صورتی، ذہانت اور تعلیم اور سب سے بڑی بات کہ لڑکیوں کی والہانہ توجہ کا مرکز بھی تھا یہی محرکات فریدون ہاشمی کو ضدی، ہٹ دھرم بنانے کے ساتھ ساتھ اسے ساتویں آسماں پہ بھی بٹھا چکے تھے اور وہ خود پہ ناز کرتا تھا اسے اپنے سامنے کسی کے منہ سے ''نہیں'' سننے سے بہت چڑ تھی۔



فریدون ڈسچارج ہو کے گھر جا رہا تھا تو راہداری میں عین الحق کو دیکھ کر پکار لیا۔

''ہیلو نرس!'' اس نے سائیڈ پہ مڑتی عین الحق کو متوجہ کیا تھا وہ چونک کر رک گئی۔ آج وہ فریدون ہاشمی کو پورے قد سے کھڑا دیکھ رہی تھی البتہ وہ بہت فریش نہیں تھا مگر پہلے کی بانسبت کچھ بہتر نظر آ رہا تھا۔

''یس؟'' وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی کیونکہ وہ جانتی تھی فریدون ہاشمی اس وقت کافی ضبط کئے کھڑا تھا کیونکہ اس کی ٹانگ ابھی پوری طرح سے ٹھیک نہیں ہوئی تھی۔

''میں آج گھر جا رہا ہوں۔'' اس نے عجب بے تکی سی بات کہی تھی۔

''تو؟'' عین الحق کا انداز اور نپا تلا لہجہ ابھی بھی نہ بدلا تھا۔

''آپ کا نام؟'' وہ آج بہت دنوں بعد وہی بات دہرا رہا تھا۔ جس کا جواب عین الحق گول کر کے چلی گئی تھی۔

''مسٹر یا پھر نرس!'' وہ کہہ کے شانے اچکا گئی۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔

''لیکن میں کچھ اور کہنا چاہتا ہوں۔''

''عورت کو کچھ اور کہنے اور پکارنے کا حق صرف ایک مرد کو ہوتا ہے اور وہ مرد اس کا شوہر ہوتا ہے اس لئے آپ میرے شوہر ہرگز نہیں ہیں اور میں آپ کو کچھ اور کہنے کا حق کبھی نہیں دے سکتی۔'' وہ کہہ کے مڑ گئی تھی کیونکہ وہ فریدون کے عقب سے ڈاکٹر جمال شاہ، ڈاکٹر ظفر اور مقبول ہاشمی کو آتے ہوئے دیکھ چکی تھی وہ حیرت سے کھڑا الجھن کا شکار تھا وہ لوگ قریب آ گئے۔

''چلو بیٹا! باہر گاڑی تیار ہے تم یہاں اکیلے کیوں کھڑے ہو؟'' ڈاکٹر جمال شاہ، فریدون کی صحت یابی پہ کافی خوش نظر آ رہے تھے اور باہر گاڑی تک ان کو چھوڑنے آئے تھے۔ مقبول ہاشمی بھی ہسپتال سے آزاد ہونے پہ اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے، مگر فریدون کا ذہن نہ جانے کیوں ہسپتال میں ہی اٹکا رہ گیا تھا۔



عظیم نیازی اور جمال شاہ کی دوستی آٹھویں کلاس سے چلی آ رہی تھی دونوں ایک ہی ایریا کے رہنے والے تھے اور دونوں کا خواب بھی ایک ہی تھا یعنی ڈاکٹر بننا...... فرق صرف اتنا تھا کہ عظیم نیازی مڈل کلاس سے تعلق رکھتے تھے اور جمال شاہ کافی امیر کبیر فیملی کے چشم و چراغ تھے لیکن پھر بھی عظیم نیازی کے والد نے دن رات ایک کر کے بیٹے کو تعلیم دلوانا شروع کیا اور میڈیکل کی اسٹڈی کے لئے جمال شاہ کی طرح عظیم نیازی کو بھی ہاسٹل بھجوا دیا تا کہ وہ بھی دوسرے اسٹوڈنٹس کی طرح پوری یکسوئی سے پڑھ سکے لیکن ان کے نصیب میں یہ تعلیم نہیں تھی اس خواب اور تعلیم کو ادھورا رہنا تھا سو ادھورا رہا۔ عظیم نیازی پیپرز کی تیاریوں میں تھے جب باپ کی ڈیتھ کی ہولناک خبر ان کو دہلا گئی۔ ان کو اپنا خواب ادھورا چھوڑ کے واپس گھر آنا پڑا اور تین بہنوں کا اکلوتا بھائی ہونے کے ناطے ساری ذمہ داری چھوٹی سی عمر میں ہی ان کے کندھوں پہ آ گئی۔ باپ کے بعد روزگار کی تلاش میں جگہ جگہ دھکے کھانا پڑے، کچھ حالات سنبھلے تو باری باری بہنوں کے فرض ادا کرنے میں لگ گئے ماں نے بیٹیوں کے بعد بہو بھی لانا چاہی لیکن وہ ابھی اپنے

آپ کو اور اپنے گھر کے حالات کو شادی کے قابل نہیں سمجھتے تھے مسلسل انکار کرتے رہے مگر ماں کی بیماری نے ان کو اس فیصلے پہ بھی مجبور کر دیا تھا۔
شادی کے فوراً بعد ہی ماں بھی چل بسی اور وہ اپنی نوکری سے بھی محروم ہو گئے وہ دوبارہ نوکری کی تلاش میں تھے اور پھر ان کو سلام آباد میں ایک چھوٹی موٹی نوکری مل گئی۔ وہ لاہور سے اپنا مکان بیچ کر اسلام آباد آ گئے تھے پہلے عائلہ اور پھر عین الحق کی آمد نے ان کو تھوڑا پر سکون اور کچھ نرم مزاج کر دیا تھا وہ گزشتہ زندگی کی سب بھاگ دوڑ پس پشت ڈال کر ساری تھکن اور ادھورے خوابوں کی چبھن بھلا کر اپنی بیٹیوں کی اچھی پرورش میں مگن ہو گئے اک دو بار انہوں نے جمال شاہ سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر ناکامی ہوئی، معلوم ہوا کہ جمال شاہ اسپیشلائزیشن کرنے امریکہ گئے ہیں ان کی بیوی بہت اچھی تھیں اور بیٹیوں میں تو وہ اپنی جان سمجھتے تھے عائلہ کو اردو ادب میں ماسٹرز کرنے کا شوق تھا اور انہوں نے اس کا یہ شوق پورا کر دیا تھا۔ عین الحق کو وہ ایک ڈاکٹر کے روپ میں دیکھتے تھے اس لئے میٹرک کے بعد اسے ایف ایس سی میں داخلہ دلوا دیا وہ بھی اپنے بابا کے خواب کو پورا کرنے کے لئے بہت پر جوش تھی، لیکن قسمت نے ایک بار پھر عظیم نیازی کو امتحان میں ناکام کر دیا۔ ایک روز ایکسیڈنٹ میں بیوی کی زندگی کھونے کے ساتھ ساتھ وہ اپنی ٹانگیں بھی کھو بیٹھے تھے۔ یہ حادثہ عائلہ اور عین الحق کے لئے جان لیوا تھا مگر باپ کی بہادرانہ تربیت نے ان کو حوصلہ نہیں ہارنے دیا ماں کی موت کو گھٹ گھٹ کر روتے ہوئے قبول کیا اور اتنے سنگین حالات میں باپ کو سہارا دیا۔ عائلہ کی نسبت اپنی پھوپھی زاد سے ایک سال پہلے ہی طے ہو چکی تھی، لیکن اس حادثے کے بعد ان لوگوں نے بھی فوراً ہی آنکھیں پھیر لیں۔ پھوپھی نے بغیر بتائے ہی اپنے بیٹے کی شادی کسی دوسری جگہ کر دی اور بھائی کے سامنے بہانہ کر دیا کہ بیٹا اپنی پسند سے بیوی لے آیا ہے۔ عظیم نیازی خاموش ہو کے رہ گئے تھے۔
انہیں احساس ہو چکا تھا کہ ان کی معذوری ان کی بیٹیوں کے لئے کتنی نقصان دہ ثابت ہو گی اور اسی تفکرات میں پڑ کر وہ اور بھی بیمار رہنے لگے عائلہ قریبی پرائیویٹ سکول میں جاب کرنے لگی اور باپ کا علاج بھی کروانا شروع کر دیا اور ایک روز اتفاقاً وہ لوگ ڈاکٹر جمال شاہ کے ہسپتال پہنچ گئے جہاں عظیم نیازی اور جمال شاہ ایک دوسرے کو دیکھ کر حیرت سے گنگ ہو گئے تھے۔ عظیم نیازی کے چہرے پہ خوشی کا عکس جگمگا رہا تھا جمال شاہ اپنے اتنے قریبی دوست کی حالت پہ دھواں دھواں ہو چکے تھے۔ انہیں اپنی بصارتوں پہ جیسے یقین نہیں آ رہا تھا۔
"جمال کیا دیکھ رہے ہو؟" انہیں اپنی جگہ پہ کھڑے دیکھ کر عظیم نیازی نے خود ہی بازو وا کر دیے تھے اور جمال شاہ ان کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیے۔ انہیں عظیم نیازی کو اس حال میں دیکھ کر بہت دکھ ہوا تھا۔ انہوں نے ہمیشہ عظیم نیازی کو ڈھونڈنے کی کوشش کی مگر ہمیشہ ناکام رہے اور آج وہ کس مقام پہ ملے تھے جب عظیم نیازی سب کچھ ہار کے بیٹھ گئے تھے۔ انہوں نے اپنے دوست کا نئے سرے سے علاج شروع کیا۔ عائلہ اور عین الحق کے سر پہ دست شفقت رکھا۔ اپنے بیوی بچوں کو ان سے ملوایا۔ ان کے صرف دو ہی بچے تھے نومی اور زری۔ نومی بارہ سال اور زری دس سال کی تھی۔ ڈاکٹر جمال شاہ کی بیوی رخسانہ جمال بھی ڈاکٹر تھیں وہ اپنا کلینک چلا رہی تھیں وہ بھی عائلہ، عین الحق اور عظیم نیازی سے مل کر بہت خوش ہوئیں رفتہ رفتہ جمال شاہ نے اپنے دوست کی غیر محسوس طریقے سے مدد کرنی شروع کر دی انہوں نے سب سے پہلے ایک جاننے والے توسط سے عائلہ کا رشتہ طے کروایا پھر کچھ عرصہ بعد اس کی شادی بھی کروا دی عظیم نیازی نے جمع پونجی بیٹی کی شادی پر خرچ کر ڈالی۔ وہ جمال شاہ پہ بار نہیں ڈالنا چاہتے تھے عائلہ کی رخصتی کے بعد گھر چلانے کی فکر عین الحق کے کندھوں پر پڑی تھی اور ان باپ بیٹی کا گریز دیکھتے ہوئے جمال شاہ نے

عین الحق کو نرسنگ کا مشورہ دیا اور ساتھ ہی اسے تعلیم جاری رکھنے کا بھی کہا تھا ہر طرف سے مجبور و بے بس ہو چکنے کے بعد عین الحق نے ان کی بات مان لی پرائیویٹ بی اے کرنے کے ساتھ ساتھ وہ نرسنگ کرنے لگی اور اپنے ساتھ ساتھ باپ کی ذمہ داری بھی نبھانے لگی اس نے اپنے باپ کی خدمت میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی اس نے بیٹی ہونے کا حق ادا کر کے دکھایا دیا تھا اور عظیم نیازی اپنی بیٹی کی اتنی چھوٹی سی عمر میں اتنی سمجھ داری اور سعادت مندی پہ اسے دعائیں دیتے نہ تھکتے تھے۔اس میں صبر اور ہمت عظیم نیازی کی طرح ہی کوٹ کوٹ کے بھرے ہوئے تھے عقل وفہم میں اپنے باپ کی کاپی تھی عظیم نیازی کو بھی اپنی چھوٹی بیٹی سے بے پناہ محبت تھی اور وہ جلد از جلد اس کو اپنے گھر بار کا کر دینا چاہتے تھے مگر بہت سے لوگوں کو عین الحق کی جاب پہ اعتراض تھا پہلے بھی دو پروپوزل اسی وجہ سے لوٹ کر جا چکے تھے اور عین الحق کو لوگوں کی نرسنگ کے خلاف بات پہ آگ لگ جاتی تھی۔



''رکو فریدون کہاں جا رہے ہو؟'' اس کو اچانک سیڑھیاں اتر کر کوریڈور کی سمت بڑھتے ہوئے دیکھ کر شارقہ بیگم چونک گئی تھیں تب ہی لاؤنج کے صوفے سے اٹھ کر اس کے سامنے آ گئی تھیں۔

''واٹ؟'' وہ اماں کو اس طرح اپنے سامنے دیکھ کر الجھ گیا اور ناگوار بھی گزرا۔

''میں تم سے تمہارے آنے جانے کا نہیں پوچھ سکتی؟'' وہ خفگی سے گویا ہوئیں۔

''وقت بے وقت کی مداخلت میں پسند نہیں کرتا'' وہ بھی ان کا ہی سپوت تھا اور وہی زبان بول رہا تھا جو وہ اسے بچپن سے اب تک سکھاتی آئی تھیں......وہ انہیں وہیں کھڑا چھوڑ کر باہر آ چکا تھا۔اپنی ریڈ سپورٹس کار ہواؤں میں اڑاتا وہ اپنے مخصوص ٹھکانے پہ پہنچ چکا تھا جہاں اس جیسے کئی اور لوگ کئی اور چہرے بھی موجود تھے۔

''ہائے فریدون! ہیلو فریدون! ارے فریدون آیا ہے؟''

''ایسے ہی اور بھی بے شمار فقرے اور سوالات مختلف زبانوں اور لوگوں نے ادا کیے تھے لیکن اسے کسی سے بھی دلچسپی نہ تھی وہ ایک چیئر گھسیٹ کر بیٹھ چکا تھا۔وکی اور سائم بھی اس کے پاس ہی بیٹھ گئے تھے۔

''طبیعت کیسی ہے اب تمہاری؟'' وکی نے گلاس لبوں سے ہٹاتے ہوئے دریافت کیا۔

''میں طبیعت ٹھیک کرنے ہی آیا ہوں۔'' اس نے بہت ہی آرام سے کہا تھا وکی اور سائم اس کا مطلب سمجھ کر مسکرا دیے تھے۔

''کیا چاہیے دیسی یا ولایتی؟''

''نہیں مجھے دونوں میں سے کچھ نہیں چاہیے مجھے الگ چاہیے کسی الگ سی چیز کی طلب ہے۔''

اس نے عجیب سی فرمائش کی تھی وکی اور سائم الجھے الجھے دیکھنے لگے......نظروں میں استفہام تھا۔

''میں ایک ایسی چیز چاہتا ہوں جو دیکھنے میں دیسی لیکن لذت میں ولایتی ہو جس کا اثر بہت پر اثر ہو۔''

''فریدون کے لہجے اور انداز میں نجانے کیا تھا کہ اس کے شیطانی دماغ کا خیال اس کے شیطانی دماغ کے دوستوں تک فوراً ہی پہنچ گیا۔

''یعنی اس نرس جیسا کچھ؟'' ان کے استفسار پہ اس نے گردن اثبات میں ہلا دی۔

''لیکن اس وقت تو وہ تمہیں کہیں بھی نہیں ملے گی۔'' سائم نے گھڑی دیکھ کر کہا رات کے گیارہ بج رہے تھے۔

''وہ مجھے آج نہ ملی تو میرا دماغ اڑ جائے گا مسلسل دس گھنٹوں سے اسے سوچ رہا ہوں آج میری طلب صرف وہ ہے مجھے آج وہی چاہئے۔'' فریدون کا لہجہ ہٹ دھرم تھا، وکی نے بوتل کا ڈھکن کھول کے اسے تھما دی وہ جوش میں پوری بوتل چڑھا گیا تھا۔

''ایڈریس ہے اس کا؟''

''نہیں۔''

''اس کی ڈیوٹی ٹائمنگ معلوم ہے؟''

''نہیں۔'' اس نے تینوں سوالوں کا جواب نفی میں دیا تھا۔ وکی اور سائم کو تھوڑا سا غصہ بھی آیا تھا مگر کیا کرتے وہ ان کا لاڈلا اور فراخ دل دوست تھا اس کے ایسے نخرے اٹھانا ان کی عادت اور مجبوری بن چکی تھی۔

''تو پھر اسے آج ہی حاصل کرنا کتنا مشکل کام ہے تم خود جان سکتے ہو۔'' سائم کو اندازہ تھا کہ فریدون فضول ضد کر رہا ہے۔

''تو میں مشکل کام کرنا چاہتا ہوں نا۔'' وہ سختی سے بولا تھا۔

''ہائے فریدون اتنے دنوں سے کہاں تھے تم۔'' صوفیہ آ کر اس کے گلے کا ہار بن گئی۔

''پلیز۔'' فریدون یکدم کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نے صوفیہ کو اپنے سے دور دھکیل دیا۔

''اوہ گاڈ! اتنے چڑچڑے کیوں ہو رہے ہو؟'' صوفیہ کو تھوڑی سی خجالت ہوئی پھر فریدون سے خفگی کا اظہار کرنے لگی۔

''اپنی حد میں رہ کر بات کرنی چاہئے۔'' وہ سختی سے بولا۔ صوفیہ کو حیرت ہوئی ایکسیڈنٹ سے تین روز پہلے تک وہ اس کی توجہ اور نگاہوں کا مرکز تھی اور اب وہ کیسا روکھا سلوک کر رہا تھا اسے یقین نہیں آیا تھا اب وکی اور سائم صوفیہ کو کیا بتاتے کہ وہ ایک بار ہی 'اہمیت' دیتا ہے بعد میں دیکھنا پسند نہیں کرتا۔

''میں تم لوگوں کا باہر انتظار کر رہا ہوں۔'' وہ ایک بوتل اور اٹھاتا ہوا اس شور ہنگامے سے باہر چلا گیا تھا......اور پھر ٹھیک ایک گھنٹے بعد وہ اپنے دوستوں کے ہمراہ ہسپتال میں موجود تھا۔

''وہ نرس کہاں ہے؟'' لہجے کو بمشکل لڑکھڑانے سے روک کر متوازن انداز میں سوال کیا تھا ریسپشن پہ موجود لڑکی نے فوراً اپنے سامنے موجود لڑکوں کی حالت بھانپ لی تھی۔

''کون سی نرس؟'' اس لڑکی نے دریافت کیا تھا۔

''وہی......جو دو مرتبہ......میری ٹریٹ منٹ کے لئے......'' فریدون بے ربط سا کہہ رہا تھا وہ ڈپریسڈ ہوتا تو ڈرنک کرتے ہی نشے کی لپیٹ میں آ جاتا تھا آج بھی حالت کچھ ایسی ہی تھی۔

''ان کا نام کیا تھا؟'' لڑکی نے دوبارہ پوچھا۔

''میں نام نہیں جانتا......لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں اس کی آنکھیں بہت خوب صورت ہیں اور اس کی آواز۔''

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' ڈاکٹر ظفر اتفاقاً وہاں سے گزر رہے تھے۔ کاؤنٹر پر موجود لڑکی کو پریشان دیکھ کر ادھر ہی آ گئے، لیکن اب فریدون ہاشمی کو دیکھ کر چونک گئے۔

''فریدون تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

''سر یہ کسی نرس کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں لیکن یہ اس نرس کو جانتے نہیں ہیں۔'' لڑکی نے جلدی سے بتایا تھا۔

''مجھے اس کا ایڈریس چاہئے۔'' وہ چیخ کر بولا۔

''سوری فریدون ہاشمی ہم کسی کا ایڈریس نہیں دے سکتے۔''

''کیوں؟'' وہ غصے میں آ گیا تھا۔ ڈاکٹر ظفر کا انکار اسے مشتعل کرنے کو کافی تھا۔

''یہ ہمارے رولز کے خلاف ہے۔'' ڈاکٹر ظفر کو فریدون ہاشمی کا اس طرح نشے کی حالت میں ہسپتال آ کر کسی نرس کے بارے میں معلوم کرنا سخت ناگوار گزرا تھا اور فریدون کو ان کا یہ انکار ان سے بھی زیادہ ناگوار گزرا تھا اس نے وہاں کافی توڑ پھوڑ کر ڈالی تھی مجبوراً ڈاکٹر جمال شاہ اور مقبول ہاشمی کو کال کرنا پڑی۔

مقبول ہاشمی متوسط طبقے سے تعلق رکھتے تھے ان کی زندگی اپنے چھوٹے سے گھر اور ماں باپ سے شروع ہو کر ان پہ ہی ختم ہو جاتی تھی ان کے ماں باپ نے ان کو اپنی اوقات سے بڑھ کے تعلیم دلوائی اور ناز و نعم سے پالا وہ بھی اپنے ماں باپ کے لئے بہت کچھ کرنا چاہتا تھا شارقہ بیگم ان کے اپنے خاندان سے ہی تعلق رکھتی تھی لیکن اپنے ہی جیسے مڈل کلاس گھرانے میں بیاہے جانے پہ وہ خوش نہ تھیں۔ ان کا یہ کیفیت پہلی ہی نظر میں مقبول ہاشمی نے جان لی تھی اور شادی کی رات شارقہ بیگم سے ایک وعدہ کیا ایک عہد باندھا تھا۔

''شارقہ میں جان چکا ہوں تمہیں زندگی میں بہت کچھ کی خواہش ہے اور تم یہ خواہش پورا کرنا چاہتی ہو، لیکن تمہیں میری زندگی میں آ کر یہ خواہش ناممکن لگ رہی ہے مگر میں یہ کہتا ہوں تم اپنی اس خواہش کو ناممکن مت سمجھو۔ انشاءاللہ میں تمہاری تمام خواہشیں پوری کروں گا، تمہیں ہر سہولت دوں گا تمہیں اللہ کی ہر نعمت سے آشنا کروں گا اور تمہارے سکھ و آرام کی خاطر اپنا سکھ آرام گنوا دوں گا، چاہے اس کے لئے مجھے اپنا خون پسینہ کیوں نہ بہانا پڑے۔ لیکن اس کے بدلے میری ایک خواہش کا احترام کرنا میرے ماں باپ کی عزت کرنا ان کا خیال رکھنا انہوں نے میرے لئے بہت کچھ کیا ہے اور میری آئندہ نسل کو بے راہ روی کا شکار نہیں ہونے دینا۔ میری نسل کو سنوارنے کی کوشش کرنا کیونکہ اولاد بگڑ جائے تو ماں باپ کو بہت اذیت ہوتی ہے اور میں یہ اذیت نہیں سہنا چاہتا ہوں، میری خواہش ہے کہ میری اولاد بہت اچھی نیک اور سلجھی ہوئی ہو۔'' انہوں نے اپنے دل کی خواہش شارقہ بیگم کے سامنے رکھ دی تھی۔

اور پھر حقیقتاً دن رات اور خون پسینہ ایک کر کے انہوں نے شارقہ بیگم سے کئے گئے وعدے کی تکمیل کرنی شروع کر دی تھی، جس کمپنی میں

وہ پہلے کلرک پھر منیجر کی حیثیت سے کام کرتے تھے اب وہ اس کمپنی کے ففٹی پرسینٹ کے مالک تھے۔ ان کو اپنے اکلوتے بیٹے فریدون ہاشمی سے بے پناہ پیار تھا اس کے اچھے مستقبل کے لئے بھی انہوں نے بہت کچھ سوچ رکھا تھا رفتہ رفتہ کاروبار وسیع ہوا اور پارٹنرشپ کے اصولوں کے مطابق ان کو ملک سے باہر جانا پڑا تھا اور پھر زیادہ تر ان کو یورپ میں ہی رہنا پڑتا تھا مہینے دو مہینے بعد وہ پاکستان آتے تو بمشکل چار پانچ دن گزار پاتے وہ چار پانچ دن بھی مختلف کاموں میں گزر جاتے ان کو اپنے ماں باپ کے پاس بیٹھنے کی فرصت ہی نہ ملتی تھی، بیٹے کے متعلق بیوی سے پوچھتے تو پتہ چلتا ان کا بیٹا بہت ذہین لائق فائق اور ہونہار سپوت ہے وہ اسی پہ مطمئن ہو جاتے تھے بیوی دولت کی فراوانی میں کس دھارے پہ بہہ رہی ہے یہ جاننے کی کبھی ضرورت ہی پیش نہ آئی تھی۔ لیکن یکے بعد دیگرے ہونے والی ماں باپ کی موت نے ان کو اس بھاگتی دوڑتی زندگی میں ایک دو پل کے لئے ٹھہرنے پہ مجبور کر دیا تھا۔

انہوں نے اپنے گھر کے نظام کا جائزہ لیا تو کہیں نہ کہیں کچھ غلط ہوتا نظر آیا تھا۔ وہ شارقہ بیگم کے سامنے اپنے سوال کا جواب مانگنے چلے آئے لیکن وہ ان کے دقیانوسی سوالات کو ٹال گئیں اور اکثر ہی وہ کچھ کہنے کی کوشش کرتے ہی تھے کہ شارقہ بیگم ان کو کسی اور مسئلے میں الجھا دیتی تھیں، انہیں فریدون کے دوستوں اور اس کے چال چلن پہ اعتراض تھا مگر شارقہ بیگم نے کبھی یہ اعتراض سننے کی کوشش ہی نہ کی تھی مگر اب فریدون کا ایکسیڈنٹ اور اب رات جمال شاہ کے ہسپتال میں ہونے والا ہنگامہ ان کو مشتعل کر چکا تھا ان کے صبر کا پیمانہ چھلک چکا تھا۔ وہ برداشت کی حدود سے نکل چکے تھے۔

''میں اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔'' انہوں نے اپنے وکیل کو صبح ہوتے ہی کال کر کے بلوا لیا تھا اور پھر فیصلہ سنایا تھا شارقہ بیگم چکرا گئیں دن میں ان کو تارے نظر آنے لگے۔

''لیکن ہاشمی صاحب آپ ایسا کیوں......؟'' وکیل کی بات کاٹ کر وہ سختی سے گویا ہوئے۔

''جو عورت گھر اور عزت کو نہ سنبھال سکے اس عورت کو اپنے گھر اور عزت سے خارج کر دینا چاہئے۔'' مضبوط لہجے میں کہتے ہوئے انہوں نے ایک نفرت بھری نظر شارقہ بیگم پہ ڈالی تھی وہ پلٹ کر چلی گئیں، لیکن تھوڑی دیر بعد جمال شاہ وہاں آ چکے تھے۔

''یہ کیا پاگلوں جیسی حرکت کر رہے ہو؟ اپنا تماشا بنوانا چاہتے ہو؟'' انہوں نے وکیل صاحب کے آگے رکھے تمام کاغذات سمیٹ کر وکیل صاحب کو تھما دیے تھے۔

''مجھے اس عورت نے پاگل کیا ہے اس عورت نے تماشا بنوایا ہے میرا، میں ایک سیکنڈ بھی اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ میں اسے ہر قیمت پہ طلاق دوں گا۔'' مقبول ہاشمی سے ضبط محال تھا۔

''وکیل صاحب آپ جائیں پلیز، اس وقت اسے صرف آرام کی ضرورت ہے۔'' جمال شاہ نے وکیل سے معذرت کر کے انہیں بھیج دیا۔

''جمال، کیوں میری برباد زندگی کو اور برباد کرنا چاہتے ہو مجھے اس فیصلے سے مت روکو......'' مقبول ہاشمی نے بے بسی سے اپنا سر تھام لیا۔

''اپنی زندگی تم نے خود برباد کی ہے اس میں بھابی کا، فریدون کا کوئی قصور نہیں۔''

''ہاں تم غلط ہو، تم اس سب کے ذمہ دار ہو جب انسان کسی چیز کی ضرورت کو ہوس بنالیتا ہے تو دوسری چیزیں اسی طرح اس کے ہاتھوں سے پھسل جاتی ہیں۔ تمہیں دولت کی ہوس ہوگئی تھی۔ تم کمانے کے چکر میں یہ بھول گئے کہ جن کے لئے تم کما رہے ہو وہ کس رنگ کس حال میں ہیں اور جو کچھ تم کما رہے ہو وہ اسے کہاں کہاں خرچ کرتے ہیں؟ تمہاری آنکھوں پہ دولت کی پٹی بندھ چکی تھی، تمہارے دماغ میں روپیہ ہی تھا تم اپنے آس پاس کو دیکھنا اور سوچنا بھول گئے تھے۔ جس ماں باپ کی عزت اور احترام تم اپنی بیوی سے کروانا چاہتے تھے کیا کبھی خود تم نے اپنے ماں باپ کا خیال رکھا؟ ان کے پاس کچھ دیر کے لئے بیٹھے؟ ان کا حال پوچھا؟ نہیں نا! تو پھر خود جان لو جس ماں باپ کی تمہیں پروا نہیں تھی ان کی پروا تمہاری بیوی کو کیسے ہوتی؟

جس بیٹے کو تم سنوارنا چاہتے تھے کبھی اس کے قریب جا کر اس کے روز وشب کا جائزہ لیا تم نے؟ کبھی اس کے رنگ ڈھنگ بدلنے کی کوشش کی؟ نہیں نا تو پھر یہ تو ہونا ہی تھا۔ سب قصور تمہارا ہے تم نے خود اپنے ماں باپ، اپنی بیوی اور اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے کھویا ہے تم نے کمانے کی دھن میں ان سے دور کرلیا ہے خود کو، اب وہ پارٹیز اور فنکشن وغیرہ میں جاتی ہیں تو تمہیں صبر کرنا چاہئے۔ تمہارا بیٹا شراب پیتا ہے تو تمہیں خاموش ہونا چاہئے۔ تمہارے ماں باپ تمہارے لئے تڑپ تڑپ کر اس دنیا سے چلے گئے ہیں تو تمہیں اب صرف اور صرف پچھتانا چاہئے اور بس!''

جمال شاہ نے پل میں کھری کھری سنا کر مقبول ہاشمی کی عقل کے تمام دروا کردیے تھے۔ مقبول ہاشمی آنکھیں پھیلا کر دیکھنے لگے۔

''قصور تمہارے ہیں، طلاق بھابی کو کیوں دیتے ہوں ان کو الزام دینے سے پہلے اپنے اندر اچھی طرح جھانک لو اور جہاں جہاں اپنا آپ غلط لگے وہاں وہاں ضمیر کے قلم سے نشان لگاتے جاؤ اور پھر عقل اور توبہ سے ان غلطیوں کو ہمیشہ کے لئے دور کردو، ہوسکتا ہے تبدیلی گھر میں نظر آنے لگے اور نوبت طلاق تک نہ جائے......اوکے اب میں چلتا ہوں کافی ٹائم ہوچکا ہے، مجھے ہسپتال پہنچنا ہے۔'' وہ رسٹ واچ دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ مقبول ہاشمی کچھ بھی نہ کہہ سکے ان کا غصہ ان کی نفرت ان کے الفاظ خود ان کے سامنے رقصاں تھے۔ دماغ میں جھکڑ سے چلنے لگے تھے۔



فریدون ہر حال میں اس نرس کو دیکھنا اور ملنا چاہتا تھا اس رات کو ہونے والے ہنگامے کے باوجود آج پھر وہ ہسپتال میں موجود تھا اور اسے عین الحق کو ڈھونڈنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی تھی وہ سیڑھیاں چڑھتی دکھائی دے گئی۔ فریدون لمبے لمبے ڈگ بھرتا بہت تیزی سے اس کے سامنے آ کر راستے کی رکاوٹ بن گیا تھا۔

''ہیلو نرس!'' عین الحق اوپری سیڑھی پہ قدم رکھتے رکھتے تھم گئی تھی اگر رکھ دیتی تو اس سے ٹکرا جاتی۔

''آپ؟'' وہ فریدون ہاشمی کو اپنے سامنے دیکھ کر ٹھٹکی۔ ماتھے پہ کئی شکنیں بھی اجاگر ہو گئیں۔

''ہاں میں آپ سے ملنے اور آپ سے کچھ کہنے آیا ہوں۔'' فریدون کا لہجہ کچھ ایسا تھا کہ عین الحق کو لمحہ بھر کے لیے کچھ سوچنا پڑا۔

''میں ٹھیک آدھے گھنٹے بعد آپ کو سٹاف روم میں ملتی ہوں۔'' اس نے انتہائی پرسکون انداز میں کہا تھا۔ فریدون اس کے چہرے کو نظر بھر کے دیکھا ایک احساس نظر کو چھو گیا تھا۔ اسی احساس نے غالباً اس کو اتنے روز سے بے چین کر رکھا تھا۔

''ٹھیک آدھے گھنٹے بعد!'' وہ دہراتا ہوا اس کے راستے سے ہٹ گیا تھا اور ٹھیک آدھے گھنٹے بعد وہ سٹاف روم کی دہلیز پہ کھڑا دروازہ ناک کر رہا تھا عین الحق سٹاف روم سے باہر آ گئی تھی۔

''جی کہاں بیٹھ کر بات کرنا پسند کریں گے آپ؟'' وہ کس لہجے میں بات کر رہی تھی۔ وہ نظر انداز کر گیا۔

''جہاں آپ کو مناسب لگے۔'' فریدون نے شانے اچکائے تھے اور مجبوراً عین الحق فریدون کے ساتھ ہسپتال کے احاطے میں بنے کینٹین تک آ گئی تھی اور ایک الگ اور مناسب ٹیبل کا انتخاب کرتے ہوئے بیٹھ گئی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے کھڑا فریدون اس کی پیروی کر رہا تھا اسے بیٹھتے دیکھ کر خود بھی بیٹھ گیا۔

''کیا لیں گی آپ؟'' اس نے ویٹر کو بلانا چاہا، لیکن عین الحق نے روک دیا۔

''کسی چیز کی طلب نہیں ہے بس آپ اپنی بات کہیں، میرے پاس صرف بیس منٹ ہیں مجھے اپنی ڈیوٹی جوائن کرنی ہے، پلیز۔'' وہ ہاتھ کا اشارہ کرتے کرتے رک گیا تھا پھر عین الحق کو دیکھا وہ حقیقتاً کچھ بھی لینے کے موڈ میں نہیں تھی۔

''جی کہیے کیا کہنا ہے آپ نے؟'' وہ پوری توجہ سے اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ عین الحق زندگی میں پہلی بار کسی اجنبی مرد کے ساتھ اس طرح بیٹھ کر بات کرنے پہ مجبور ہوئی تھی کیونکہ وہ جان چکی تھی کہ فریدون ہاشمی ضدی انسان ہے اگر وہ اس کی بات سننے سے انکار کرتی وہ پھر بھی اصرار ہی کرتا اسی لئے بات سن لینا ہی بہتر سمجھا اور اس کے ساتھ یہاں تک آ گئی تھی، حالانکہ اندر سے بہت عجیب سا فیل کر رہی تھی اور فوراً وہاں سے اٹھ جانا چاہتی تھی۔

''میں آپ سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔'' فریدون نے کوئی بھی تمہید باندھنے کی بجائے سیدھی سیدھی بات کہہ دی تھی۔ عین الحق کو اس جملے کی توقع نہیں تھی اس نے چونک کر فریدون ہاشمی کو دیکھا تھا۔ وہ نظروں کو جھکائے اپنی کی چین کو ٹیبل کی سطح پہ گھما رہا تھا۔

''وجہ پوچھ سکتی ہوں؟'' وہ پرسکون لہجے میں بولی تھی۔ فریدون نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

''آپ مجھے اچھی لگی ہیں۔ میں آپ کو پسند کرتا ہوں۔'' وہ صاف صاف کہہ رہا تھا۔

''دوستی کرنے کے لئے اچھا لگنا ضروری ہوتا ہے؟'' عین الحق بہت تحمل سے سوال کر رہی تھی۔

''ہاں! میں تو یہی سوچتا ہوں دوستی اس سے ہو سکتی ہے جو آپ کو اچھا لگے، جو آپ کو پسند ہو۔'' اس کی بات پہ عین الحق کے چہرے پہ اطمینان بکھر گیا تھا اور وہ ریلیکس ہو گئی اور آہستگی سے متوازن انداز میں گویا ہوئی۔

''پھر میری اور آپ کی دوستی ہرگز نہیں ہو سکتی کیونکہ آپ مجھے اچھے نہیں لگتے میں آپ کو پسند نہیں کرتی۔'' اب کی بار فریدون نے چونک کر دیکھا عین الحق کہنے کے بعد کینٹین سے باہر کا منظر دیکھنے لگی۔

''وجہ پوچھ سکتا ہوں؟'' اسی کے انداز میں دریافت کیا گیا تھا۔

''آپ ڈرنک کرتے ہیں، آپ اسموکنگ کرتے ہیں، آپ لڑکیوں سے افیئر چلاتے ہیں، فلرٹ کرتے ہیں اور میں یہ پسند کرتی۔ اس لئے میری آپ سے دوستی نہیں ہو سکتی۔''

''لیکن میں یہ کام چھوڑ بھی سکتا ہوں۔'' وہ برجستہ بولا

''نہیں مسٹر فریدون ہاشمی! محض ایک لڑکی کی دوستی حاصل کرنے کے لئے جو شخص اپنی عادتیں چھوڑ سکتا ہے وہ کسی اور چیز کے حصول کے لئے اس دوستی کو بھی چھوڑ سکتا ہے اور اتنا ہرجائی شخص کبھی کوئی رشتہ نہیں نبھا سکتا۔''

''لیکن میں آپ سے ہر حال ہر قیمت پر فرینڈ شپ قائم کرنا چاہتا ہوں میں آپ کو پسند کرنے لگا ہوں۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر اپنی بات کہتے ہوئے پسند پہ زور دے کر بولا تھا۔

''مسٹر فریدون ہاشمی! آپ فضول میں بحث و تکرار کے چکر میں پڑ رہے ہیں آپ کو مجھ سے دوستی کبھی فائدہ نہیں دے سکتی کیونکہ نہ تو میں آپ کے ساتھ پارٹیز جوائن کر سکتی ہوں، نہ کلبز میں جا سکتی ہوں، نہ آپ کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر اونچے اونچے کھوکھلے قہقہے لگا سکتی ہوں اور نہ ہی شراب پی کر رات کے تین تین بجے تک آپ کے ساتھ گاڑی میں گھومتی ہوئی اپنا ایکسیڈنٹ کروا سکتی ہوں اور جب میں کچھ بھی نہیں کر سکتی تو اس دوستی کا کوئی جواز ہی نہیں۔ اس لئے پلیز میرا اور اپنا وقت برباد مت کریں، اللہ حافظ!'' وہ وہاں سے اٹھ گئی تھی، فریدون اپنی جگہ پہ تلملا کر رہ گیا۔ اسے عین الحق کی حرکت پہ غصہ آ رہا تھا اپنے آپ کو اس طرح غیر اہم کیے جانے پہ اس کا پارہ ہائی ہو رہا تھا۔ عین الحق کا وجود اور بھی ہلچل کا باعث بننے لگا۔ اس کا انکار وہ اقرار میں بدلنے کو بے چین ہوا تھا۔

اس نے ڈرنک کرتے ہوئے تمام روداد اپنے دوستوں کو سنائی تھی۔ وہ بھی پرسوچ سے نظر آنے لگے تھے۔

''یار! تجھے اتنی ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے پہلی پہلی بار ہر لڑکی اسی طرح نخرہ دکھاتی ہے انکار کر کے منفرد ہونے کی کوشش کرتی ہے اگر وہ انکار بھی نہ کرے تو سوچو ہمیں مزا کیسے آئے؟'' وکی نے خباثت سے کہتے ہوئے آنکھ دبائی۔ فریدون نے گلاس خالی کر کے ٹیبل پہ رکھتے ہوئے وکی کو حیرت سے دیکھا۔

''ہاں یار سچ کہہ رہا ہوں ایک دوبار انکار کرے گی تیرے آتش شوق کو ہوا دے گی اور جب تم بھڑک جاؤ گے پھر مان جائے گی اور تمہارا سارا کام آسان ہو جائے گا۔'' وکی سمجھا رہا تھا۔

''وکی میں بھڑ کنے بھڑ کانے میں اتنا صبر نہیں کر سکتا میں صرف ایک بار اسے حاصل کرنا چاہتا ہوں، چاہے جیسے بھی ہو۔'' فریدون کا لہجہ سخت تھا۔ وکی نے اسے گھور کے دیکھا۔

''تو پھر کرو حاصل......'' اس نے فریدون کو اس کے حال پہ چھوڑ دیا تھا فریدون تین دن بعد پھر اس کے سامنے تھا۔

''جی فرمایئے، اب کیا پرابلم ہے آپ کو؟'' وہ ہسپتال کے احاطے سے باہر نکل رہی تھی، جب ریڈ سپورٹس کار سے نکل کر وہ اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔

''میں آپ سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔'' وہی ضدی، ہٹ دھرم سا انداز اپنائے وہ وہی بات دُہرا رہا تھا جس سے وہ تین روز پہلے انکار کر چکی تھی۔ عین الحق نے نظر اٹھا کر اپنے سامنے کھڑے فریدون ہاشمی کو سر تا پا دیکھا تھا بلیک جینز پہ ریڈ چیک کی شرٹ پہنے اس پہ بلیک لیدر جیکٹ چڑھائے اپنے تیکھے نین نقوش کے ساتھ وہ حقیقتاً ایک بگڑا ہوا امیر زادہ لگ رہا تھا اور اپنے حلیے سے نظر بھی آ رہا تھا۔

''لیکن میں انکار کر چکی ہوں۔'' اس نے پہلی بار فریدون کے ساتھ لہجہ سخت اختیار کر کے کہا۔

''انکار ہمیشہ انکار نہیں رہتا اقرار میں بھی بدل سکتا ہے۔''

''مسٹر فریدون ہاشمی وہ لڑکیاں اور ہوتی ہوں گی جس کے دھوکے میں آپ میرے پیچھے بھاگ رہے ہیں میرا انکار آپ کبھی بھی اقرار میں نہیں بدل سکتے یہ بات آپ کو ذہن میں رکھ لینی چاہئے۔'' وہ کہہ کر سائیڈ پہ ہوئی اور گزر جانا چاہا لیکن وہ دوبارہ اس کے سامنے آ گیا تھا۔

''لیکن ایک بات آپ کو بھی ذہن میں رکھ لینی چاہئے کہ میرا نام بھی فریدون ہاشمی ہے جو کہتا ہوں کر کے رہتا ہوں۔''

اس کی آنکھوں میں ایک چیلنج ہلکورے لے رہا تھا۔ عین الحق نے اس کی شکل کو بغور دیکھا اور کچھ حل سوچنے کی کوشش کی۔

''مسٹر فریدون ہاشمی! آپ کو شاید احساس نہیں کہ ایسے رشتے زبردستی نہیں بنتے بلکہ خود بخود بن جاتے ہیں۔'' اس نے ذرا تحمل اور سکون اس کو سمجھانے کی ناکام سعی تھی۔

''میں ''بن جانے'' کا ویٹ نہیں کر سکتا، میں بنانا چاہتا ہوں۔ آپ اپنی دوستی کی شرائط بتا دیں، میں پوری کروں گا۔'' وہ خبطی سا آدمی اسے بھی پاگل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

''دیکھیں جب میں دوستی ہی نہیں کرنا چاہتی تو شرائط کیوں رکھوں گی اور ایک بات بتا دوں جو شرائط پہ ہو، وہ دوستی نہیں ہوتی۔ سراسر دغا اور دھوکہ ہوتا ہے کھلی سودے بازی ہوتی ہے اور کچھ نہیں۔'' وہ اسے طرح طرح کی دلیلوں میں الجھا رہی تھی لیکن وہ کسی میں بھی الجھ نہیں رہا تھا۔

''جو بھی ہوتا ہے مجھے قبول ہے۔'' عین الحق کا جی چاہا اپنا ماتھا پیٹ ڈالے لیکن اس وقت وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔

''ارے عین! ابھی تک یہاں کھڑی ہو، تمہیں دیر نہیں ہو رہی؟'' اس کی کولیگ باہر نکلی تو اسے دیکھ کر رک گئی تھی اور پھر عین الحق کو فریدون

ہاشمی کے ساتھ کھڑے دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔

''ہاں، میں بھی نکل ہی رہوں ہوں۔ چلتے ہیں۔ اللہ حافظ۔'' عین الحق فریدون کے پاس سے گزر کر اپنی کولیگ کے ساتھ آگے بڑھ گئی تھی۔ فریدون نے دور تک اس نے اپنی نظروں کی زد میں رکھا تھا۔

''تو نرس صاحبہ گھی ٹیڑھی انگلیوں سے نکلنا چاہتا ہے؟ کوئی بات نہیں، یہ بھی کر دیکھیں گے۔'' وہ کمینگی سے مسکراتا ہوا وہاں سے اپنی گاڑی نکالنے لگا۔ سی ڈی پلیئر آن کر کے والیوم فل کر دیا تھا۔



''عینی! پلیز صبر سے کام لو۔ انشاء اللہ بابا ٹھیک ہو جائیں گے۔ معمولی سا بخار ہے، اتر جائے گا۔'' عائلہ نے دو دن سے بھوکی پیاسی عین الحق کو کندھے سے لگا کر دلاسہ دیا تھا۔ عظیم نیازی کو پچھلے تین دن سے انتہائی تیز بخار تھا اور آج ڈاکٹر جمال شاہ انہیں بہتر ٹریٹ منٹ کے لیے ہسپتال لے کر جا رہے تھے لیکن وہ سب عین الحق کی بکھری بکھری سی حالت دیکھ کر پریشان ہو چکے تھے۔ وہ اپنے بابا کو بیمار دیکھ کر حوصلہ کھو دینے کو تھی۔ اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا تھا۔ وہ اب کوئی بھی عظیم دکھ سہنے کی سکت نہیں رکھتی تھی۔ چھوٹی سی عمر میں ہی بہت اذیت دیکھ لی تھی۔ اب دکھ کا تصور ہی سوہان روح تھا۔ وہ تین دن سے بھوکی پیاسی تھی۔

ہسپتال جانے سے پہلے بھی جمال شاہ اور عائلہ اسے کھانا کھانے کے لئے اصرار کرتے رہے مگر وہ نہ مانی۔ ہسپتال میں بھی جمال شاہ کو اسی کی فکر رہی تھی۔ وہ اس کو بازو کے حصار میں لے کر اپنے آفس میں آ گئے تھے۔

''بیٹھو بیٹا۔'' عین الحق بیٹھ گئی۔ رخسانہ آنٹی بھی وہاں تھیں۔ وہ دونوں میاں بیوی اس کی طرف ہی متوجہ تھے۔

''دیکھو بیٹا! اپنے بابا کا حوصلہ اور سہارا صرف تم ہو۔ وہ تمہارے دم سے جی رہے ہیں۔ تم مضبوط ہو تو وہ بھی مضبوط ہیں اور اگر تم ہی ہمت ہار جاؤ تو تمہارے بابا تو بالکل ہی ہار جائیں گے۔'' رخسانہ آنٹی نے نرمی سے اس کے کندھے پہ اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈال کر کہا تھا۔ ان کی بات سن کر عین الحق کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

''آنٹی! میرے بابا نے زندگی میں بہت دکھ دیکھے ہیں، بہت تکلیفیں سہی ہیں۔ انہوں نے شاذ و نادر ہی خوشی دیکھی ہو گی لیکن پھر بھی میں نے آج تک ان کے ماتھے پر پریشانی کی ایک سلوٹ تک نہیں دیکھی مگر ان چند دنوں میں، میں نے ان کو پریشان دیکھا ہے۔ وہ...... نہ جانے......''

عین الحق کہتے کہتے رو پڑی تھی۔ جمال شاہ نے بیوی کو دیکھا تھا، وہ عین الحق کو سنبھالنے لگیں۔

انہوں نے کس طرح سمجھا بجھا کے عین الحق کو رخسانہ آنٹی کے ساتھ اپنے گھر بھجوا دیا تھا، جہاں زری اور نومی اسے دیکھ کر کھل اٹھے تھے۔

''عین آپی! واؤ، مزا آئے گا۔'' نومی اپنی بال اچھالتے ہوئے خوشی سے چہکا۔

''کیسے ہو تم دونوں؟'' عین الحق نے ان کے بال بکھیر کر پیار سے پوچھا۔

''ہم تو ٹھیک ہیں، آپ ٹھیک نہیں لگ رہیں۔''

زری کا مشاہدہ تیز تھا۔وہ عین الحق کی پریشانی اس کے چہرے سے ہی بھانپ گئی تھی۔

''ارے سب ٹھیک ہے بیٹا! ابھی جاؤ، کھیلو۔ آپ کی آپی نے تھوڑا آرام کرنا ہے بعد میں باتیں کر لینا۔'' انہوں نے اپنے بچوں کو وہاں سے نکالنا چاہا۔ انہیں پتہ تھا، وہ عین کو آرام نہیں کرنے دیں گے۔

''تو کیا آپی صرف آرام کرنے آئی ہیں۔ ہم سے باتیں نہیں کریں گی؟'' نوی نے خفگی سے کہا۔

''کریں گی باتیں لیکن ریسٹ کرنے کے بعد۔ او کے، یو مے گو ناؤ۔'' انہوں نے گھور کر کہا تو دونوں بہن بھائی سر جھکا کر نکل گئے اور ڈاکٹر رخسانہ جمال عین الحق کو ٹیبلٹ کھلا کر کمرے سے باہر آ گئیں۔



''انکل! بابا کیسے ہیں؟'' جمال شاہ صبح ناشتہ کرنے گھر آئے تو عین الحق کو کافی بے تاب بیٹھے دیکھا۔

''ایک بات بتاؤ بیٹا! تمہارے بابا پہ صرف تمہارا ہی حق ہے؟'' وہ اپنا کوٹ صوفے پہ ڈال کر خود بھی بیٹھ گئے تھے۔ عین الحق ان کا مطلب نہیں سمجھی اور جب سمجھی تو شرمندہ ہو گئی تھی۔

''آئم سوری انکل! میں تو......''

''میں جانتا ہوں کہ تمہیں اپنے بابا سے بہت پیار ہے لیکن یہ بھی تو دیکھو رات بھر اس کے پاس اس کی بڑی بیٹی تھی۔ اس کا دوست، اس کا بھائی تھا پھر اس کا چھوٹا سا نواسہ تھا اور اتنے لوگوں کی تیمارداری کے بعد اس نے ٹھیک تو ہونا ہی تھا۔ وہ پہلے سے بہت بہتر ہے۔ اسے عائلہ سے ناشتہ کروا کر ڈاکٹر ظفر کی ذمہ داری پہ چھوڑ کے آیا ہوں اور خود ناشتہ کر کے دوبارہ جا رہا ہوں۔'' ان کے تفصیلی جواب پہ وہ نادم سی ہو گئی۔

انہوں نے مسکراتے ہوئے اٹھ کر اس کا سر تھپکا۔

''پگلی! اگر وہ تمہارا باپ ہے تو ہمارا بھائی ہے۔ تمہارا باپ بعد میں بنا، پہلے وہ ہمارا بھائی تھا۔ اس لئے اس کی فکر تم سے زیادہ ہم کو ہے، سمجھیں اور اب ٹھیک سے ناشتہ کرو اور ہاسپٹل جا کر اپنی ڈیوٹی جوائن کرو۔ باپ کی فکر میں اس کی پائنتی سے لگ کر بیٹھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ انڈر اسٹینڈ۔'' وہ تحکم بھرے لہجے میں بولے تو عین الحق سر اثبات میں ہلا کر مسکرا دی۔

''یار تجھے اتنا پریشان ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ایک معمولی سی نرس، بڑی آسانی سے مان جائے گی۔'' سائم اس کو آسان رستہ دکھا رہا تھا۔

''میں اسے صرف ''ایک رات'' کے لئے حاصل کرنا چاہتا ہوں اور اس کے لئے وہ جو کچھ بھی مانگے گی، میں دوں گا۔ بس وہ ''ایک رات'' کے لئے ہامی تو بھرے۔'' فریدون کے دل و دماغ میں عین الحق کا سراپا، اس کا عکس جیسے جم کے رہ گیا تھا۔ وہ اپنے دھیان کو کہیں اور موڑ ہی نہیں پا رہا تھا۔ وہ اس کو ایک بار اپنی دسترس میں دیکھنا چاہتا تھا اور اس کے بعد اسے عین الحق سے کوئی سروکار نہ ہوتا۔ وہ ہمیشہ ہر لڑکی کو ایک بار ہی اہمیت دیتا تھا۔ بعد میں ان کے قریب جانا بھی ناگوار گزرتا تھا۔

''میں نے آج تمہارے لئے ایک خاص تحفہ سلیکٹ کیا ہے، آج کی رات تم اس تحفے کو''انجوائے'' کرو پھر اس نرس والے معاملے پہ بات ہوگی۔'' وکی کی بات پہ فریدون نے استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

''یار! آج بہت سردی ہے۔ سوچا کچھ گرما گرمی کا ماحول بناتے ہیں۔ میرا فلیٹ خالی بھی ہے اور پرسکون بھی اور تمہاری کلاس فیلو سارہ بھی کافی دنوں سے تمہارے آگے پیچھے منڈلا رہی تھی۔ تم نے غور نہیں کیا لیکن میں نے آج اسے کہہ دیا کہ فریدون احتم کو آج میرے فلیٹ پہ انوائٹ کر رہا ہے، وہ فوراً مان گئی۔'' وکی خباثت کے ریکارڈ قائم کر رہا تھا۔ فریدون بےزار ہوا۔

''مجھے ایسی کسی چیز کی ضرورت نہیں، میں نہیں جا رہا۔'' اس نے انکار کیا۔ وکی نے گھور کے دیکھا۔ سائم اور حارث بھی ان کی طرف متوجہ تھے۔

''یار! ایک بار نظر دھیان سے ڈال کر دیکھنا تمہیں خود احساس ہوگا کہ وہ ''کیسی چیز'' ہے۔ داد دو گے میرے انتخاب کی۔'' اس نے فریدون کو زبردستی اپنے فلیٹ پہ چھوڑا اور سارہ کو بھی بھیج دیا، لیکن سارہ کے ساتھ ٹائم گزار کر بھی فریدون کے دماغ کا فتور نہ نکل سکا۔ وہ ایک ہی چیز کی دھن میں پاگل ہو چکا تھا۔ اس نے آج تک اپنے اندر اس قدر شدت محسوس نہیں کی تھی۔ اتنی طلب اسے کبھی نہیں ہوئی تھی مگر اب اس کا سونا جاگنا کھانا پینا سب ایک پیاس، ایک شدت بن گیا تھا۔



اس کی حرکت اور کیفیات نے کافی حد تک شارقہ بیگم کو اور مقبول ہاشمی کو چونکا دیا تھا۔ وہ آج کل سوچوں میں گم نظر آنے لگا تھا۔ وہ عین الحق کو پانا چاہتا تھا، لیکن نجانے کیوں اسے عین الحق کو پانا کافی مشکل لگتا تھا۔ وہ اسے پانے اور اپنی طلب مٹانے کے طریقے سوچتا رہتا تھا۔

''کیا بات ہے، کوئی پریشانی ہے تمہیں؟'' شارقہ بیگم اضطراری انداز میں ٹی وی ریموٹ تھامے چینل سرچنگ کرتے فریدون کے قریب آگئیں۔

''نہیں۔''

''لیکن دیکھنے سے تو تم کافی پریشان لگتے ہو۔'' وہ اس کے انکار کو خاطر میں نہ لائیں۔

''پلیز مام! ڈونٹ ڈسٹرب می۔'' وہ ریموٹ کو اور تیزی سے حرکت دیتے ہوئے اکھڑے سے لہجے میں بولا تو وہ پلٹ گئیں۔

''ہونہہ پریشانی۔'' اس نے تھوڑی دیر بعد وہاں سے اٹھتے ہوئے ریموٹ غصے سے زمین پہ دے مارا تھا اور پھر گاڑی لے کر گھر سے نکل گیا تھا۔ آج کل یونیورسٹی سے وہ فائنل سمسٹر ہونے کی وجہ سے فارغ تھا اور مقبول ہاشمی اب پاکستان میں ہی مستقل رہنے کی پلاننگ میں مصروف تھے۔ وہ اپنا بزنس اپنے پارٹنر سے الگ کر چکے تھے، اس لئے اب جو کچھ چاہتے کر سکتے تھے اور شارقہ بیگم بھی شوہر کی گھر میں موجودگی کے ڈر سے اب زیادہ تر گھر میں ہی نظر آتی تھیں۔ اپنی مصروفیات کم کر دی تھیں۔



اپنے اتنے قریب بریک لگنے اور ٹائر چرچرانے کی وجہ سے وہ چیخ کر رہ گئی۔ فریدون اپنے تین عدد دوستوں کے ساتھ تین عدد بائیک لئے اس کے سامنے موجود تھا۔ عجیب لوفرانہ انداز میں وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ پہلے حملے سے سنبھلی تو دوسرے حملے کے لئے خود کو تیار کرنے لگی تھی کیونکہ

آج اسے فریدون ہاشمی کے تیور کچھ اور نظر آ رہے تھے۔ وہ بائیک سے اتر کر اس کے قریب آ گیا تھا۔

''ہیلو نرس! کیسی ہو؟'' آج وہ عین الحق کو آپ بھی نہیں کہہ رہا تھا، وہ اپنے آس پاس دیکھنے لگی۔ چند قدم کے فاصلے پر بس سٹاپ تھا اور چند قدم پہ ہسپتال وہ بیچ راستے میں کھڑی تھی۔

''کیا بات ہے؟ میں تمہیں اچھا نہیں لگتا؟'' اس نے عین الحق کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔ وہ دو قدم دور ہٹ گئی تھی اور ابھی تک خاموش کھڑی تھی۔

''اے، میں تم سے بول رہا ہوں۔'' اس نے عین الحق کی آنکھوں کے آگے انگلیوں سے چٹکی بجائی تھی۔

''پلیز مسٹر فریدون ہاشمی! مائینڈ یور لینگویج۔'' وہ اس کے انداز تخاطب پہ چڑ گئی تھی۔ وہ لوفرانہ انداز میں مسکرا دیا۔

''او کے۔ میں اپنی لینگویج پہ کنٹرول کر لیتا ہوں لیکن میں اپنے آپ پہ کنٹرول نہیں کر پا رہا۔ پلیز تمہیں جتنی بھی رقم چاہیے، لے لو۔ تم جو مانگو گی میں دوں گا۔ بس ایک بار مجھے اپنی قیمت بتاؤ، میں ایک رات کے لئے کچھ بھی قیمت چکانے کو تیار......''

''چٹاخ......انتہائی زناٹے دار تھپڑ فریدون کا آخری لفظ اپنی آواز میں دبا گیا تھا۔ بیچ سڑک میں اپنے دوستوں کے سامنے ایک لڑکی کا اتنا زوردار اور نفرت آمیز تھپڑ فریدون ہاشمی کے چودہ طبق ہلا کے رکھ گیا تھا۔ وہ فریدون کو جن نظروں سے دیکھ رہی تھی، وہ کسی تلوار سے کم نہیں تھیں۔ اس کی آنکھوں سے نفرت اور غصے کے شعلے لپک رہے تھے۔ عین الحق کا بس چلتا تو اسی وقت کھڑے کھڑے اس گھٹیا شخص کو آگ لگا دیتی۔

''میری قیمت لگانے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ میری نظر میں تم جیسے گھٹیا مرد کی قیمت اس تھپڑ سے بہتر اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ انڈر اسٹینڈ۔'' وہ مضبوط لہجے میں کہتی انگلی اٹھا کر فریدون ہاشمی کو وارننگ دے رہی تھی۔ اس کے انداز اور لب و لہجے میں ذرا برابر بھی خوف نہیں تھا۔

''اور مجھے اس تھپڑ کی صورت میں قیمت بتانے سے قبل تم ایک بات یاد رکھ لینا کہ تم کو ایک بار اپنے بستر کی زینت ضروری بناؤں گا میڈم عین الحق نیازی!'' وہ اس کا نام چبا کر بولا جو دو روز قبل اس نے معلوم کروا لیا تھا۔

''یہ بھول ہے تمہاری۔'' وہ نفرت سے کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی تھی اور شارقہ بیگم اپنی گاڑی سے اتر کر قریب آ گئیں۔ انہوں نے فریدون کو دیکھ کر اچانک گاڑی رکوائی تھی لیکن فریدون کو ایک لڑکی کے ہاتھوں تھپڑ کھاتے دیکھ کر چکرا گئی تھیں۔

''یہ کیا ہوا؟ کون تھی؟ کیوں تھپڑ مارا اس نے؟ تم کچھ بولے بھی نہیں؟'' وہ حیرت سے سوال پہ سوال کرتی چلی گئیں، وہ ماں کو دیکھ کر اور بھی سلگا پھر آس پاس نظر اٹھی تو چند لوگوں کو بھی متوجہ پایا تھا۔ یعنی وہ اچھی خاصی ذلت اٹھا چکا تھا۔ آج فریدون کی اکڑ و غرور بلبلا اٹھے تھے۔

''بولو نا، یہ سب کیا ہوا؟'' وہ اس کا بازو جھنجھوڑ رہی تھیں لیکن وہ کوئی بھی جواب دیے بنا بائیک پہ سوار ہوا اور بائیک اڑا لے گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ وکی، سائم اور حارث اپنی اپنی جگہ پہ ششدر سے بیٹھے تھے۔ وہ بھی مسز ہاشمی کو کچھ نہ بتا سکے، ان کو فریدون کی حالت سوچ کر خوف آ رہا تھا کہ اب کیا ہوگا؟ وہ کیا کرے گا؟



''بابا......'' عین الحق کی چیخ بہت بلند اور بہت دردناک تھی۔ پڑوس سے زبیدہ آپا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ان کے ہاں بھاگتی آئی تھی لیکن عظیم نیازی کے بے جان سرد وسپاٹ وجود سے لپٹ کے روتی عین الحق کو دیکھ کر ان کے قدم دہلیز پہ ہی لرز گئے تھے۔ اس کی چیخوں میں اضافہ ہوا تو انہوں نے کمزور آواز سے اس کو روکا تھا۔

''عین! صبر سے کام لو بیٹا......'' آج ان کا وقت پورا ہو گیا تھا۔

''نہیں خالہ......ابھی......ابھی......مم......میں نے ان کو وضو......وضو کروایا تھا اور......اور انہوں نے فجر کی نماز پڑھی تھی......وہ مجھے ناشتہ......تیار کرنا تھا اور قرآن پاک کی تلاوت بھی کرنا تھی۔ مم......میں چلی گئی اور بابا......بابا میرا انتظار کر رہے تھے نا، میں......آ گئی ہوں لیکن یہ......یہ بول نہیں رہے خالہ میرے......بابا کو کہیں مجھ سے بات کریں۔'' وہ پاگلوں کی طرح بے ربط اور ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں اپنی بات کہہ رہی تھی اور زبیدہ آپا خود روتے ہوئے اس کے قریب بیٹھ گئیں۔

''ہاں بیٹا! یہ......یہ سب ہو چکا ہے۔ تیرے بابا نے نماز پڑھی تھی، وضو کیا تھا اور......اور اب وہ اپنے خالق حقیقی کے پاس......''

''نہیں، وہ مجھے چھوڑ کر کہیں بھی نہیں جا سکتے۔'' وہ یکدم چیخی اور پھر اسی طرح اس حقیقت کو چیخ چیخ کر جھٹلاتی رہی لیکن جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ تقدیر اپنا وعدہ پورا کر چکی تھی اور تقدیر کو اپنا وعدہ پورا کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا کیونکہ کاتب تقدیر کا لکھا اٹل تھا۔ ازل سے ابد تک، کبھی نہ مٹنے والا۔

''عائلہ، جمال شاہ، مسز رخسانہ جمال، زبیدہ آپا ان کے گھر والے سب ہی اس دھچکے سے گزرے تھے مگر عین الحق کے لئے یہ دھچکا بہت بڑا تھا۔ وہ بہکی بہکی باتیں کر رہی تھی۔

''عین! پلیز پانی پی لو۔'' عائلہ کے اپنے آنسو رخساروں پہ بہہ رہے تھے لیکن پھر بھی وہ اس پاگل پن سے نکالنا چاہتی تھی۔

''آپی رات، رات اتنی دیر تک جمال انکل، بابا کے پاس بیٹھے رہے، ان کے ہنسنے کی آواز میرے کمرے تک آ رہی تھیں پھر صبح کو کیسے وہ مجھے چھوڑ کر جا سکتے ہیں؟ عین الحق عجیب ہذیانی انداز میں کہہ رہی تھی۔ جمال شاہ بے اختیار عین الحق کو بازو کے گھیرے میں لے کر رو پڑے تھے اور بہت سی آنکھیں بھی بے اختیار رو پڑی تھیں۔ حقیقتاً عین الحق کا دکھ گہرا تھا۔ آج وہ بے سروسامان ہو گئی تھی۔

❁......❁......❁

عظیم نیازی کی تینوں بہنیں بھائی کی موت کا سن کر گھڑی دو گھڑی کے لئے آئی تھیں اور پھر چلی گئیں۔ عائلہ کو بھی یہاں آئے ہوئے دو ہفتے ہو چکے تھے اور اب ایاز کی ماں نوید بیگم اتنے لمبے قیام پہ ناک بھوں چڑھانے لگی تھیں۔ رخسانہ آنٹی رات کو عائلہ اور عین الحق کے پاس ہی رک جاتی تھیں اور عائلہ کو ان کی اس مہربانی کا اچھی طرح احساس تھا، اسی لئے اس نے اب ان کو روک دیا کہ تکلیف نہ کیا کریں۔ گھر میں زری اور نومی ڈسٹرب ہوتے ہوں گے۔ یہی بات انہوں نے جمال شاہ کو کہہ دی اور وہ ہسپتال سے ہوتے ہی ان کی طرف آ گئے۔

''عائلہ بیٹا! تم اپنے گھر کب جا رہی ہو؟'' عائلہ نے چونک کر جمال شاہ کو دیکھا، انداز سوالیہ تھا۔

''میرا خیال ہے تمہیں اب گھر جانا چاہئے۔ ایاز ڈسٹرب ہوتا ہوگا۔ تم دونوں اس حال میں ہو گی تو تمہارے بابا کو تکلیف ہو گی اور تم تو اچھی

طرح جانتی ہو تمہارے بابا کو رونا، آنسو بہانا قطعی ناپسند تھا۔" انہوں نے عائلہ کا سر تھپکا، وہ سر جھکائے رو رہی تھی۔

"لیکن انکل! عین الحق کس کے پاس......"

"عین الحق میری بیٹی! میری ذمہ داری ہے اور میرے پاس میرے گھر میں رہے گی۔ تم لوگوں کو اس کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" عائلہ انہیں دیکھتی رہ گئی تھی اور پھر انہوں نے پیغام بھیج کر عین الحق کی تینوں پھوپھیوں، عائلہ کی سسرال والوں اور چند محلے دار جاننے والوں کو بلا کر اپنا فیصلہ سنایا تھا اور سب کے سامنے اپنے دوست کی بیٹی کو اپنی بیٹی سمجھ کر اپنے گھر لے جانے اور اس کی ذمہ داری اٹھانے کا اعلان کیا تھا اور یہ بھی کہا کہ اگر کسی کو اعتراض ہے تو وہ بات کر سکتا ہے مگر کسی نے بھی اعتراض نہ کیا کیونکہ تنہا اکیلی خالی ہاتھ اور خالی دامن لڑکی کی کوئی بھی ذمہ داری نہیں لے سکتا تھا اور جمال شاہ اپنے دوست سے کیا ہوا وعدہ نبھاتے ہوئے عین الحق کو اپنے گھر لے آئے۔



عین کو سنبھلنے میں کافی دن لگے تھے اور اتنے دن نومی اور زری نے بمشکل چپ رہ کر خود کو کچھ کہنے سے باز رکھا تھا۔ وہ جانتے تھے، عین اپنی فادر کی ڈیتھ سے کافی اپ سیٹ اور رنجیدہ ہے، اس لئے وہ صبر سے کام لیتے رہے لیکن رفتہ رفتہ انہوں نے عین کو کچن کے کاموں میں انوالو ہوتے دیکھا تو وہ بھی اپنے مزاج میں لوٹ آئے۔

"عین آپی بابا کہتے ہیں جو لوگ زیادہ چپ رہتے ہیں، وہ ذہین ہوتے ہیں تو کیا آپ بھی ذہین ہیں؟ زری کی بات پہ عین نے گردن موڑ کر اسے دیکھا پھر بے اختیار ہی اس کی معصومیت پہ مسکرا دی۔

"میرے بابا کہتے تھے جو لوگ زیادہ سوال کرتے ہیں، وہ ذہین ہوتے ہیں۔ کیا تم بھی ذہین ہو؟" عین الحق نے دلچسپی سے کہا تھا لیکن بے ساختہ ہی احساس ہوا کہ اس نے اپنے بابا کا ذکر کیا ہے اور اپنے بابا کا خیال آتے ہی اس کے ہاتھ رک گئے تھے۔ اس کے چہرے سے مسکان اور ہونٹوں سے لفظ غائب ہو گئے تھے اور اسی خیال میں گم ہو کر وہ اپنا ہاتھ جلا بیٹھی تھی۔ جلن سے آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے۔

"نہیں بیٹا! آنسو نہیں بہاتے۔ آنسوؤں کا پانی بہت کمزور ہوتا ہے۔ بہانے والے کو بھی کمزور کرتا ہے اور دیکھنے والے کو بھی بے بس کر دیتا ہے۔"

اس کی سماعتوں میں اترتی عظیم نیازی کی آواز اسے آنسو بہانے سے روک گئی تھی۔

"عین! کیا ہوا؟" رخسانہ آنٹی کچن میں آئی تو عین الحق کو چپ سر جھکائے کھڑا دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔

"مما! آپی کا ہاتھ جلا ہے۔" زری نے کچن میں داخل ہوتے ہی اطلاع دی۔ وہ برنال ٹیوب لینے بھاگ گئی۔ واپسی پہ ماں کو بھی کچن میں دیکھ کر کچھ اطمینان ہو گیا تھا۔

"کیسے جلا لیا؟ تم سے کس نے کہا تھا کہ کچن میں آؤ پاگل لڑکی۔" وہ اس کا ہاتھ تھامے اسے ڈانٹ رہی تھیں اور زری سے برنال لے کے اس کے ہاتھ پہ لگانے لگیں۔ عین الحق نے جواباً کچھ بھی نہ کہا تھا لیکن اگلی صبح ناشتے کے وقت وہ کچھ کہنا چاہتی تھی اور اس کو کہنے پر آمادہ دیکھ کر جمال انکل نے ہی اسے کہنے پہ مزید اکسایا تھا۔

''کہو بیٹا! کیا بات ہے؟''

''وہ......انکل......میں اپنی جاب دوبارہ جوائن کرنا چاہتی ہوں اور......''

''نہیں، اس کی کوئی ضرورت نہیں۔تم آرام سے گھر میں رہو۔''

''لیکن انکل! دو ماہ ہو چکے ہیں، میں فارغ بیٹھے بیٹھے اکتا گئی ہوں۔ میں کام کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ ان کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی بول پڑی تھی۔

''تو پھر کالج یا پھر یونیورسٹی جوائن کرو، اپنی تعلیم کا سلسلہ دوبارہ سے جوڑ لو'' جمال انکل چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے قطعی لہجے میں کہہ رہے تھے۔

''میں نہیں پڑھ سکتی، میرا دل اچاٹ ہو چکا ہے۔ میں کام کرنا چاہتی ہوں۔ پلیز انکل! آپ میری فیلنگ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ جاب کرنے سے لڑکیوں میں اعتماد آتا ہے۔لڑکیوں کو زمانے کے ساتھ چلنے کا اور معاشرے کی اونچ نیچ سمجھنے کا ڈھنگ آتا ہے۔اپنا آپ بے کار اور بے معنی نہیں لگتا اور میں بھی بے کار بے معنی نہیں ہونا چاہتی۔ میں کام کرنا چاہتی ہوں اور میرے خیال میں ہر لڑکی کو جاب کرنی چاہئے، اس سے خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔'' وہ جمال انکل کے سامنے دلیلیں پیش کر رہی تھی۔ وہ چند لمحے پر سوچ انداز میں دیکھتے رہے، پھر رخسانہ آنٹی سے تائید طلب کرتے ہوئے اسے اجازت دی۔ عین الحق کو بہت اچھا لگا تھا، اس نے ریلیکس کرتے ہوئے اپنی جاب جوائن کر لی تھی۔



''یہ کیسی دیوانگی ہے فریدون؟ کیوں کسی اور کے دشمن ہوتے ہوتے اپنے دشمن ہو گئے ہو؟''

اسے اس قدر ڈرنک اور اسموکنگ کرتے دیکھ کر سائم نے اس کے سامنے ٹیبل پہ دھری بوتل پیچھے کھسکا دی اور ساتھ ہی اس کو ڈانٹ بھی دیا۔

فریدون ابھی تک عین الحق کے لگائے گئے چرکے سے بلبلا رہا تھا اور انتقام کی آگ میں جل جل کر اور بھی تڑپ رہا تھا۔

''سائم! یہ واپس کرو مجھے۔'' اس نے بوتل کی طرف اشارہ کیا۔

''آج عین الحق نیازی اپنی روٹین لائف کی طرف لوٹ آئی ہے، اس نے آج اپنی ڈیوٹی جوائن کی تھی۔'' سائم نے بوتل واپس کرنے کی بجائے اسے اطلاع فراہم کی تھی۔ فریدون یکدم اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

''پھر......؟'' اس نے سائم سے سوال کیا۔

''لیکن اب وہ......کافی سیکیور ہے۔'' سائم ساری تفصیل جمع کر کے آیا تھا اور فریدون کے سامنے اُگل رہا تھا۔

''مطلب؟'' اس نے پھر پوچھا۔

''مطلب، وہ ڈاکٹر جمال شاہ اور ڈاکٹر رخسانہ جمال کے ساتھ گاڑی میں آتی جاتی ہے۔ سارا وقت ہسپتال کے اندر ہوتی ہے اور بعد میں سارا وقت گھر میں رہتی ہے اور اب یقیناً وہ کہیں بھی اکیلی نہیں جائے گی۔ ڈاکٹر جمال شاہ اس کے ساتھ ڈرائیور اور گاڑی بھیجا کریں گے۔'' سائم کی

اطلاعات اس کو کافی گہری سوچ میں مبتلا کر رہی تھیں۔

''میں نے ایک فیصلہ کیا ہے سائم!'' اس کی آواز اور انداز پہ سائم چونک اٹھا اور پھر اس کا فیصلہ سن کر چکرا گیا۔

''یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟'' اسے یقین نہیں آیا تھا۔

''ہاں سائم! میں اپنی آگ...... بجھانے کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہوں اور اس سے بہتر فیصلہ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔'' اپنی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے وہ اپنے جوتے کی ٹوہ سے قالین کو ضرب لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''لیکن فریدون! یہ کیسے ممکن ہوگا؟''

''یہ ممکن ہوگا اور ضرور ہوگا۔ ایک بار عین الحق نیازی پہ زندگی کا دائرہ تنگ نہ کردوں تو میرا بھی نام نہیں۔ میں اسے اذیت کے دریا سے ہمکنار کردوں گا۔ وہ پچھتائے گی اس دن پہ جب اس نے فریدون ہاشمی کو انکار کیا تھا اور روئے گی اس دن، اس گھڑی، اس لمحے کو جب اس نے فرید ون ہاشمی پہ ہاتھ اٹھایا تھا۔'' انتہائی نفرت آمیز سلگتے لہجے میں الفاظ چبا چبا کر ادا کر رہا تھا۔

''تو کیا یہ سب ٹھیک ہوگا؟'' سائم اس فیصلے سے الجھ رہا تھا۔

''ہاں سب ٹھیک ہوگا اور میرا خیال ہے کافی سے بھی زیادہ ٹھیک ہوگا کیونکہ عین الحق نیازی کے لئے جیسی اذیت، جیسی سزا میں چاہتا ہوں، وہ ایک رات کے چند لمحوں میں پوری نہیں ہوگی۔ اس کے لئے ایک لمبا عرصہ درکار ہوگا۔'' وہ اپنی تمام باتیں، تمام پلاننگ اس کے گوش گزار کر رہا تھا۔

سائم سنتا رہا، بعد میں وکی اور حارث کا بھی سائم جیسا ہی حال ہوا، وہ اس فیصلے پر حیران تھے۔

''فریدون! تم جانتے ہو جمال شاہ اور تمہارے پاپا میں کافی دوستی ہے اور عین الحق بھی جمال شاہ کے دوست کی بیٹی ہے جس کو اب وہ اپنی بیٹی، اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ اس کے ساتھ کوئی انتہائی قدم اٹھانے سے خود تمہیں نقصان ہو سکتا ہے۔ تمہارے پاپا تو پہلے ہی کافی گرم مزاج ہیں اور پھر عین الحق کو ٹارچر......''

''پلیز حارث! تم اپنے یہ سائیڈ افیکٹ اپنے پاس رکھو۔ جو کچھ ہوگا، میں دیکھ لوں گا۔ تم لوگوں کو فکر کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر ان کو روک چکا تھا، اس وقت وہ وکی کے فلیٹ میں تھے۔ اکثر انہوں نے کوئی ''رنگینی'' انجوائے کرنا ہوتی تو اسی فلیٹ کا انتخاب کرتے تھے اور زیادہ فریدون ہی اس کام کو انجام دیتا تھا۔

''ٹھیک ہے، تم جو بھی کرو، ہم تمہارے ساتھ ہیں۔'' حارث نے ہتھیار ڈال دیے تھے اور فریدون پلاننگ کے تحت کام کرتا چلا گیا۔



مقبول ہاشمی کو تو کافی عرصہ پہلے جمال شاہ نے حقیقت کا آئینہ دکھا کر لاجواب کر دیا تھا لیکن فریدون کس کے ہاتھوں آئینہ دیکھ کر سدھرنے لگا ہے، یہ جاننے کا ان کو شوق اور تجسس ضرور ہوا تھا لیکن پھر اپنے اس تجسس کو مار دیا کیونکہ ان کو بیٹے کے سنورنے سے غرض تھی اور وہ سنور چکا تھا۔ اس کے بعد ان کو کوئی غرض نہ تھی۔ فریدون اس حلیے میں رہنے لگا جس میں مقبول ہاشمی دیکھنا چاہتے تھے۔

وہ یونیورسٹی سے اپنا ایم بی اے مکمل کر چکا تھا اور باپ کے حسبِ خواہش ان کے بزنس میں دلچسپی لے رہا تھا۔ اس کا سونا، کھانا پینا، سب کچھ یکسر بدل گیا۔ اس نے اپنے گھٹیا دوستوں کی کمپنی چھوڑ دی تھی۔ آفس کے بعد وہ گھر پہ ہی نظر آتا تھا اور ایسے ہی دنوں میں ایک دو ملاقاتیں، ''اتفاقاً'' ڈاکٹر جمال شاہ سے بھی ہو گئی تھیں اور وہ فریدون میں ہونے والی تبدیلیاں دیکھ کر بے پناہ خوش ہوئے تھے۔

''امیزنگ...... کافی اچھے لگ رہے ہو۔'' وہ اس کا کندھا تھپک کر ستائشی نظروں سے دیکھ کر بولے تھے۔ فریدون نے سر جھکا لیا۔ یعنی وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اسے اپنی کامیابی پہ کچھ اطمینان ہوا تھا۔ رفتہ رفتہ وہ سب کچھ اپنے مطلب کے مقام پہ لے آیا تھا۔



''لیکن آپی...... یہ سب......'' وہ کچھ کہتے ہوئے رک گئی تھی۔

''عین! میں جانتی ہوں تمہارے لئے یہ سب اچانک غیر متوقع ہے لیکن عین! ہمیں انکل کا بھی تو خیال کرنا ہے۔ انہوں نے تمہاری ذمہ داری تمہارا فرض اپنے کندھوں پر اٹھایا ہے اور وہ اس فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں۔ آخر کب تک تم شادی سے بھاگو گی اور کب تک وہ اس ذمہ داری کو نبھائیں گے۔ تم اپنے گھر کی ہو جاؤ گی تو مجھے بھی سکون اور اطمینان ہو جائے گا۔'' ڈاکٹر جمال شاہ نے فون کر کے عائلہ کو خود بلوایا تھا تاکہ وہ عین الحق کی رضا معلوم کرے۔

''لیکن آپی! بابا کی ڈیتھ کے بعد کیا میں آپ کو شادی کی پوزیشن میں نظر آتی ہوں؟'' عین، عظیم نیازی کی موت کے بعد جانے کتنی باتوں پہ روہانسی ہوتی تھی۔ اس وقت بھی وہ ضبط کے سنگین مراحل سے گزر رہی تھی۔

''میں سب جانتی ہوں عینی! لیکن ہمیں اپنا خیال نہیں کرنا چاہئے بلکہ ان کا خیال کرنا چاہئے جو ہمارے لئے متفکر رہتے ہیں۔ ہمیں ان کی پریشانی کم کرنی چاہئے، ان کو اپنی ذمہ داری سے آزاد کر دینا چاہئے۔ پلیز تم میرا مطلب سمجھنے کی کوشش کرو۔'' عائلہ اس کو نرمی اور پیار سے سمجھا کر قائل کر رہی تھی۔

''مجھے کوئی فیصلہ کرنے کے لئے تھوڑا وقت چاہئے۔ مجھے سوچنے کی مہلت دیں۔'' اس کی گلوگیر آواز پہ عائلہ اپنے آنسو اپنی بے بسی پہ ضبط کرتی عین الحق کو کندھے سے لگا کر تھپکنے لگی۔

''عین! تم بہت بہادر ہو۔ بابا کو تمہارے حوصلے، تمہارے صبر پہ فخر ہوتا تھا۔ بابا مجھ سے زیادہ تمہیں پسند کرتے، تمہیں چاہتے تھے۔ وہ تم میں اپنی شبیہ دیکھتے تھے اور مجھے بھی لگتا ہے تمہاری تمام عادتیں بابا جیسی ہیں۔'' وہ اس کا دل بہلانے کے لئے بابا کی باتیں کرنے لگی تھی اور عین الحق پلکوں کو زور سے بھینچ رہی تھی۔

''آپ کی میٹنگ ختم ہوئی یا نہیں؟'' نومی نے دروازہ ناک کر کے اندر جھانکا۔

''کیوں، خیریت؟'' عائلہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

''وہ نیچے آپ کا صاحبزادہ رو رہا ہے اور اس نے اپنے کپڑے بھی گندے کر لئے ہیں۔ مما نے بہت بہلایا ہے اسے لیکن وہ بس بھاں

بھاں کر رہا ہے۔'' نومی نے منہ بنا کر عائلہ کے بیٹے کی نقل اتاری۔ عائلہ فوراً اٹھ گئی اور عین الحق نے سر جھکایا۔ نومی نے ایک نظر عین الحق کو دیکھا پھر اس کے سامنے دوزانو بیٹھ گیا۔

''آپی! آپ اداس ہوتی ہیں تو بہت خوبصورت لگتی ہیں۔'' نومی کی بات پہ عین نے چونک کر دیکھا۔'' لیکن جب آپ خوش ہوتی ہیں تو دنیا کی خوبصورت ترین ہستی لگتی ہیں۔'' نومی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔'' اور میں آپ کو دنیا کی خوبصورت ترین ہستی دیکھنا چاہتا ہوں۔ پلیز خوش رہا کریں۔'' نومی اتنی محبت اور اتنی لجاجت سے کہہ رہا تھا۔ عین الحق نے بے اختیار اس کے بال بکھیر کر اس کے ماتھے پہ پیار کیا۔'' میں دنیا کی خوبصورت ترین ہستی نہیں بلکہ خوش قسمت ترین ہستی ہوں، جس کا چھوٹا سا بھائی اتنی کیئر اور محبت کرنے والا ہے۔'' اسے حقیقتاً نومی کے معصوم انداز پہ پیار بھی آیا اور رونا بھی۔

''تو پھر آپ وعدہ کریں، آپ آئندہ اداس نہیں ہوں گی بلکہ خوش ہوں گی۔ ایک دم فریش، بالکل پھول کی طرح۔'' اس نے فوراً اپنا ہاتھ پھیلا کر وعدہ مانگا تھا۔'' میری جان پھول کی اتنی عمر ہی نہیں ہوتی کہ وہ خوش اور فریش ہونے کا سوچ سکے۔''

''کیونکہ جب وہ اس بارے میں سوچنے لگتا ہے تب سورج ڈھل رہا ہوتا ہے اور پھر مرجھا کر مر رہا ہوتا ہے۔ اسے اس کام کی مہلت ہی نہیں ملتی۔'' اس کی آواز اور بات کے اثر میں نومی حیرت سے آنکھیں پٹپٹانے لگا۔

''آپ تو اچھا خاصا بول لیتی ہیں، ورنہ میرا خیال آپ کو بات کرنا نہیں آتی۔''

''بدتمیز۔'' اس نے نومی کی چپت رسید کی تو وہ مسکراتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

''میں پھر بھی یہی کہوں گا، آپ باتیں بہت اچھی کر لیتی ہیں۔'' وہ شرارت سے کہہ کے بھاگ گیا تھا۔ عین الحق نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دی تھی، وہ جب سے یہاں آئی تھی، جمال انکل سمیت پوری فیملی نے اس کے زخموں پہ پوری توجہ اور محبت کے ساتھ مرہم رکھا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنا درد کم محسوس کرنے لگی تھی۔ البتہ کبھی کبھی زخم کے نشان پہ نظر پڑ جاتی تو روح میں اذیت کی لہری اٹھنے لگتی تھی۔ تب پناہ درد ٹھاٹھیں مارتا ہوا محسوس ہوتا تھا جیسے اب شادی کے ذکر پہ اپنی تنہائی اور کم مائیگی کچھ زیادہ محسوس ہونے لگی تھی۔ ماں باپ کی کمی کا شدت سے احساس ہونے لگا تھا لیکن وہ یہ بھی، یہ احساس کسی سے شیئر نہیں کر سکتی تھی۔



جمال شاہ نے اپنے ہاں ڈنر پر مقبول ہاشمی کی فیملی کو انوائٹ کیا تھا۔

ملازمہ کے ساتھ رخسانہ آنٹی بھی کچن میں مصروف تھیں اور عین الحق کو بھی اپنا فارغ بیٹھنا اچھا نہ لگا۔ ہسپتال سے ابھی ابھی واپس آئی تھی۔ کپڑے تبدیل کر کے وہ بھی کچن میں اپنے گر آزمانے کے لئے چلی آئی تھی اور پھر شام تک وہ بغیر ہاتھ روکے کام میں مصروف رہی۔ چکن بریانی سے دم ہٹایا تو اس کی خوشبو سے رخسانہ آنٹی جھوم اٹھیں۔

''واہ بھوک تیز ہو گئی ہے اس خوشبو سے۔'' انہوں نے بغیر کھائے ہی تعریف شروع کر دیا اور پھر ڈائننگ ٹیبل پہ سجی ڈشز دیکھ کر جمال انکل

بھی ستائشی نظروں سے عین کو دیکھنے لگے۔

''السلام علیکم۔'' مقبول ہاشمی اپنے مقررہ وقت سے تھوڑا لیٹ ہو چکے تھے، اس لئے جمال انکل اسلام دعا کرنے کے بعد ان کو ڈائننگ روم میں ہی لے آئے تھے اور اب عین الحق انہیں سلام کر رہی تھی۔

''وعلیکم السلام۔ ماشاء اللہ کافی پیاری بچی ہے۔'' انہوں نے عین الحق کے سر پہ ہاتھ رکھ کے جمال انکل سے کہا تھا۔ وہ پیچھے ہٹے تو شارقہ بیگم نے اسے سرتاپا دیکھا تھا۔ نگاہیں تنقیدی جائزہ لے رہی تھیں لیکن پھر بھی وہ آگے بڑھ کے اسے گلے لگا کر پیار کر رہی تھیں۔

''جیتی رہو۔'' ایک مخصوص دعا دے کر وہ بھی آگے بڑھ گئیں۔ عین الحق کو اس پیار اور انداز پہ تھوڑی الجھن تو ہوئی تھی لیکن پھر سر جھٹک دیا تھا۔

''فریدون نہیں آیا؟'' رخسانہ آنٹی کے پوچھنے پہ نجانے کیوں وہ بری طرح چونک گئی۔ مقبول ہاشمی اور شارقہ بیگم کو وہ جانتی تھی لیکن ان کے ساتھ جڑے تیسرے انسان کو وہ یکسر ہی بھول چکی تھی اور اب جب اس کا ذکر ہوا تو وہ خود یاد کیا آیا کہ اس سے وابستہ چند باتیں بھی یاد آ گئی تھیں۔ فرید ون کا بار بار اپنی راہ میں آ جانا پھر اس کی عجیب وغریب باتیں اور حرکتیں اور پھر اس کی قیمت لگانا اور عین کا اسے تھپڑ مارنا اور اس کے بعد فریدون کہیں بھی نظر نہ آنا۔ عین الحق آخری بات سوچ کر مطمئن ہو گئی تھی۔ اس کے خیال میں اس کے مارے گئے تھپڑ سے فرید کو سمجھ آ گئی تھی اور اس نے اسے تنگ کرنا چھوڑ دیا تھا۔

''ارے بیٹا! تم بھی کچھ لو نا، اس طرح خاموش کیوں بیٹھی ہو؟'' جمال انکل نے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

''جی لے رہی ہوں۔'' اس نے کہتے ہوئے تھوڑے سے چاول اپنی پلیٹ میں ڈال لئے اور سر جھکا کر کھانے میں مشغول ہو گئی۔

''آپ آج کل کیا کر رہی ہیں بیٹا؟'' مقبول ہاشمی نے اسے براہ راست مخاطب کیا تھا۔ اس نے چونک کر جمال انکل کو دیکھا، وہ اسے بات کرنے کا اشارہ دے رہے تھے۔

''جی میں جاب کر رہی ہوں انکل کے ہاسپٹل میں۔'' اس نے مختصر کہا تھا۔

''بڑی بہن کہاں ہوتی ہے آپ کی؟''

''جی وہ راولپنڈی میں ہوتی ہیں، ان کی سسرال ہے وہاں۔'' وہ ان بے معنی سوالوں سے الجھ رہی تھی۔

''آئندہ زندگی کے لئے کیا پلاننگ ہے؟ کچھ سوچا ہوا ہے یا پھر؟'' شارقہ بیگم نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

''میں پلاننگ پہ یقین نہیں رکھتی کیونکہ جو پلاننگ ہم کرتے ہیں، وہ اللہ کی، کی گئی پلاننگ سے میچ نہیں کرتی اور اللہ کی طے شدہ پلاننگ کبھی بدل نہیں سکتی، اس لئے پلاننگ کرنا اچھی بات نہیں۔ ہمیں اپنا سب کچھ اس پاک ذات پر چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ ہوتا وہی ہے جو وہ چاہتا ہے۔'' عین کی بات سن کر مقبول ہاشمی کا ہاتھ اپنی جگہ پہ ہی رک کر رہ گیا تھا۔ شارقہ بیگم سن کر ذرا کی ذرا متوجہ ہوئیں پھر سر جھکا کر کھانے میں مشغول ہو گئیں۔ جمال انکل اور رخسانہ آنٹی کو عین کی بات سے اتفاق تھا اور مقبول ہاشمی متفق ہونے کا سوچ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ وہاں سے اٹھ گئے۔ نومی اور زری اس کے بیڈ روم میں آ گئے اور نیچے ان لوگوں کی محفل جمی رہی۔



وہ دم بخود سی بیٹھی جمال انکل کو دیکھ رہی تھی۔ اسے اپنی سماعتوں پہ دھوکہ ہوا تھا۔

''اگر تمہیں کوئی اعتراض ہے تو تم کہہ سکتی ہو۔ بہر حال مجھے یہ پرپوزل ہر لحاظ سے موزوں لگ رہا ہے۔ کافی اچھی فیملی ہے۔ چند خامیاں تھیں لیکن رفتہ رفتہ وہ بھی ختم ہو رہی ہیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ سے پوری امید ہے تم وہاں خوش رہو گی۔'' جمال شاہ اس وقت روایتی ماں باپ کی سوچ اختیار کیے ہوئے تھے۔ ان کو بھی اپنی بیٹی کے لئے اچھے گھرانے اور اچھے لڑکے کی تلاش تھی۔ آج سے تین چار ماہ پہلے یہ پرپوزل آتا تو وہ بلا جھجک انکار کر دیتے لیکن اب حالات اور واقعات دیکھ کر انکار کرنا غلط لگ رہا تھا۔ بہت سوچ سمجھ کر انہوں نے ہامی بھرنے کا فیصلہ کیا تھا اور عین الحق کی رضا مانگی تھی جو اس پرپوزل کا سن کر دم بخود بیٹھی تھی۔

''لیکن انکل اتنی جلدی......''

''دیکھو بیٹا میں تم سے فوری جواب نہیں مانگ رہا۔ تم اچھی طرح سوچ کر مجھے جواب دے سکتی ہو وہ لوگ بھی سب کام اطمینان سے کرنا چاہتے ہیں اور میں بھی اتنا اچھا رشتہ مس نہیں کرنا چاہتا، پھر بھی آخری فیصلہ تمہارا ہو گا۔ تم اب آرام کرو شاباش۔'' وہ اس کا سر تھپک کر چلے گئے اور وہ اپنے حواسوں میں لوٹ آئی۔

''فریدون ہاشمی سے شادی؟'' اسے سوچ کر ہی جھرجھری آ گئی۔

''لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں ایک شرابی ایک زانی ایک بگڑے ہوئے شخص سے شادی کیسے کر سکتی ہوں۔ جس کا کھانا پینا بھی حرام اور جس کا سونا جاگنا بھی حرام ہے۔ جو عورت کو بستر کی سلوٹ سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا میری زندگی اس کے ساتھ کیسے گزر سکتی ہے۔'' وہ ان کے جانے کے بعد اپنے آپ سے جیسے ہم کلام تھی۔

''میں کیا کروں، میرے اللہ میں کیا کروں؟'' اس نے سوچوں سے منتشر ہوتے دماغ کو دونوں ہاتھوں سے جکڑنے کی کوشش کی اور مسلسل سوچوں کے شکنجے میں رہنے کے بعد چوتھے روز اس نے جمال انکل کے سامنے اس پرپوزل سے انکار کر دیا تھا جمال شاہ کچھ بھی نہ کہہ سکے تھے۔ رخسانہ آنٹی نے عین سے بات کرنے کی کوشش کی تو انہوں نے بیوی کو بھی منع کر دیا تھا۔

''تمہیں عین کو کنوینس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں جو اسے بہتر لگا اس نے کہہ دیا اب ہم اسے اصرار کر کے آمادہ ہرگز نہیں کریں گے۔ دنیا میں لڑکوں کی کونسی کمی ہے جو ہم اس پہ دباؤ ڈالیں۔'' وہ اپنے کہے پہ قائم تھے اور انتہائی شرافت اور سلیقے سے مقبول ہاشمی کے سامنے معذرت کر لی تھی، لیکن مقبول ہاشمی کو یہ معذرت قبول نہ تھی وہ رہ نہ سکے اور انکار کے باوجود ایک ہفتے بعد دوبارہ سوالی بن کے آ گئے۔

مقبول ہاشمی کا اصرار بڑھ چکا تھا۔ شارقہ بیگم بھی اس اصرار میں شوہر سے پیچھے نہ تھیں جمال شاہ چپ تھے لیکن رخسانہ آنٹی نے فون کر کے عائلہ کو بلوا لیا تھا اور ساری تفصیل بھی بتا دی تھی۔ عائلہ اس قدر اچھے پرپوزل کا سن کر آنکھیں پھیلانے پہ مجبور ہو گئی تھی اور پھر عین الحق کے سامنے جا پہنچی تھی۔

''یہ سب کیا تماشہ ہے، عین الحق؟'' اسے یوں اچانک سامنے اور وہ بھی اس موڈ میں دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

''پلیز عینی کیوں اپنی وجہ سے سب کو ٹینشن دے رہی ہو۔ انکل تمہاری وجہ سے پریشان ہیں اور آنٹی، انکل کی وجہ سے پریشان ہو رہی

ہیں۔ کم از کم تمہیں ان کے بارے میں تو سوچنا چاہئے۔'' عائلہ کے تیور آج بگڑے ہوئے تھے۔

''آخر ہوا کیا ہے آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟'' وہ بیڈ سے اتر کر ان کے قریب آ گئی۔ عائلہ اس کے کمرے کے بیچوں بیچ کھڑی تھی۔

''تم نے فریدون ہاشمی کے پرپوزل سے انکار کیوں کیا؟ جب کہ تمہیں پتہ بھی ہے پہلے بابا اور اب انکل تمہارے لئے کتنے پریشان ہو چکے ہیں پھر تمہاری جاب کی وجہ سے پہلے کتنے لوگ اپنے قدم پیچھے ہٹا چکے ہیں اور ایسی سچویشن میں اگر ایک مناسب اور اچھا رشتہ آیا ہے تو تم اسے بھی ٹھکرا رہی ہو، اور تم یہ بھی جانتی ہو کہ مقبول ہاشمی انکل کے فرینڈ ہیں اگر وہ اس پرپوزل پہ ہامی بھر رہے ہیں تو کچھ سوچ کر ہی بھر رہے ہیں میرا ہاتھ بھی ایاز کے ہاتھ میں انہوں نے ہی تھمایا تھا۔ بھلے میری ساس اچھی نہ سہی لیکن میرا شوہر تو اچھا ہے نا۔ اگر فریدون ہاشمی میں تم نے کوئی برائی دیکھی تو برائی کس میں نہیں ہوتی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر بڑے بڑے مسائل پیدا نہیں کرنے چاہئیں اور نہ ہی اپنے قریبی عزیزوں کو فکر میں مبتلا کرنا چاہئے۔'' عائلہ آج شاید تپی ہوئی تھی۔ عین الحق اس کی باتیں سنتی رہی اور اپنے آنسو اپنے دل پہ گراتی رہی۔ عائلہ کے بہت زیادہ بول چکنے کے بعد اس نے تمام ہتھیار ڈال دیئے اور اپنا آپ داؤ پہ لگا دیا۔

''میں فریدون ہاشمی سے شادی کے لئے تیار ہوں۔'' وہ کہہ کر وہاں سے جا چکی تھی۔



پھولوں سے سجی سیج پہ عین الحق دلہن بنی بیٹھی تھی۔ ایک ماہ سے شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور ان تیاریوں نے اسے ذہنی طور پہ تھکا ڈالا تھا اور آج شادی کے دن تو وہ کچھ زیادہ ہی تھک چکی تھی عجیب عجیب رسمیں عجیب عجیب آوازیں اور طرح طرح کے لوگ جمع تھے، جن کو وہ جانتی تک نہ تھی، لیکن پھر بھی ان لوگوں کے ساتھ تصاویر اور مووی بنوانے کا کام انجام دینا پڑا تھا اور اس کے پہلو میں بیٹھا فریدون ہاشمی ہر شوخی و شرارت سے عاری تھا بالکل خاموش سنجیدہ وہ تمام رسموں میں موجود تھا اور اب عین الحق کے دو گھنٹے کے انتظار کے بعد بھی وہ نہیں آیا تھا۔

ابھی تک وہ یونہی بیڈ پہ کسی مورتی کی طرح سجی بیٹھی تھی۔ وہ اپنی کمر میں درد محسوس کر رہی تھی اس نے ان دو گھنٹوں میں اس کمرے کا تفصیلی جائزہ لیا ایک ایک چیز کو بغور دیکھا تھا اور ان چیزوں کو وہ ازبر بھی کر چکی تھی لیکن وہ آنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

تھکن سے چور چور وجود کو بستر کی نرمی کی طلب ہونے لگی تھی اور اس طلب نے نیند کا آنچل اس کی پلکوں پہ لہرانا شروع کر دیا تھا۔ وہ نیند میں گم ہو رہی تھی جب دروازہ کھلنے کی آہٹ پہ چونک کر بیدار ہوئی۔ یوں محسوس ہوا جیسے دروازہ پاؤں کی ٹھوکر سے کھولا گیا ہو۔ بغیر وجہ کے ہی عین الحق کا دل دھڑک کر اسے کنفیوژ کرنے لگا تھا، ہتھیلیوں کا اضطراب وہ مٹھیاں بھینچ کر روکنے لگی۔ اسے فریدون سے کوئی ڈر خوف نہیں تھا، نہ ہی وہ کوئی بہت شرم و حیا کے غلبے میں تھی لیکن پھر بھی دل کوئی الگ سا راگ الاپ رہا تھا اس کی دھن ہی نرالی تھی مگر اسے اس دھن سے دوبارہ چونکنا پڑا دروازہ جس ٹھوکر سے کھولا گیا تھا اسی سے بند کیا گیا۔

اس نے بے اختیار سر اٹھا کر دروازے کی اور دیکھا اور پھر دماغ چکرا گیا۔ اس کے کانوں میں جمال انکل اور رخسانہ آنٹی کی آواز اور الفاظ گونجنے لگے تھے۔

''جس فریدون ہاشمی کو تم نے ہسپتال میں دیکھا تھا وہ فریدون آج کے فریدون کی ایک پرانی پرچھائیں ہے آج کا فریدون کل کے فرید ون سے بالکل مختلف ہے وہ اپنی بری عادات چھوڑ چکا ہے۔اس نے اپنی غلطیوں سے کنارہ کرلیا ہے وہ پچھلی باتوں سے توبہ کر چکا ہے وہ بدل گیا ہے اب وہ ایک اچھا انسان ہے اور ہمارا خیال ہے تم ایک اچھے انسان کے برے ماضی کو اس کے اچھے زمانہ حال پہ ترجیح نہیں دو گی بلکہ اچھائی میں اس کا ساتھ دو گی اس کی حوصلہ افزائی کرو گی تمہیں اپنے آپ پہ اعتماد ہونا چاہئے اور ہم پہ بھی۔''

اس کی سماعتوں میں محفوظ یہ الفاظ اس کو چند گھنٹوں کے لئے خوش گمان کر گئے تھے، نہ چاہ کر بھی وہ ان الفاظ پہ یقین کرنے کو تیار ہو گئی تھی اور اب اپنی بصارت پہ یقین کرنے کو تیار ہو رہی تھی رفتہ رفتہ وہ اس کے قریب آ بیٹھا تھا اور عین الحق نے یقین کی وادی میں قدم رکھ دیا تھا۔اسے احساس ہو چکا تھا کہ وہ دھوکہ کھا چکی ہے اب کچھ بھی مٹھی میں نہیں رہا سب اختیار وہ دھوکے باز حاصل کر چکا ہے اور یہ احساس ہوتے ہی اس نے پلکوں کو جھکا کر گردن بھی خم کر لی تھی اور ہاتھوں کا اضطراب ختم ہوتے ہی دل کی دھڑکن بھی کہیں مدھم ہوتی چلی گئی، ہر طرف سناٹا اترنے لگا تھا۔

''پیو گی؟''اس نے گلاس میں چھلکتا وہ ناگوار مشروب عین الحق کو پیش کیا تھا وہ فریدون کے مضبوط ہاتھ میں تھمے گلاس اور گلاس میں ڈولتے مشروب کو دیکھ کر سرد ہو گئی اور انہی سرد نظروں سے اسے دیکھا وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''کیوں اب یہ بھی اچھی نہیں لگ رہی؟''اس کی نظروں میں استہزا تھا اس نے اپنے لب بھینچ لئے۔

''ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟ دل نہ بھی چاہے ایک بار پی کر دیکھو زندگی کا ذائقہ چکھ لو گی ایک بار منہ تو لگاؤ۔''اس نے گلاس عین الحق کے ہونٹوں سے لگانے کی کوشش کی اس نے برداشت کی حد پار کرتے ہوئے یکدم ہاتھ سے گلاس دور جھٹک دیا تھا۔

''چٹاخ، فریدون کے بھاری ہاتھ سے اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا، فریدون کی آنکھوں میں لہو تھا......

''ذلالت کی انتہا کر دوں گا اگر تم نے میری کسی بات سے انحراف کیا تو......''وہ اسے دوپٹے کے باوجود بالوں سے پکڑ چکا تھا۔

''ذلالت کے سوا میں تم سے اور کوئی امید ہی کب رکھتی ہوں۔''وہ بھی اپنی زبان کو روک نہ پائی تھی۔اس نے ایک اور تھپڑ اس کے منہ پہ دے مارا تھا۔

''میرے سامنے اُف بھی کرو گی تو زبان کھینچ لوں گا تمہیں اب وہی کرنا ہے جو میں چاہتا ہوں جو میری مرضی ہو گی سمجھیں تم؟''غصے سے غراتے فریدون کے لب و لہجے اور نگاہوں میں آگ دہک رہی تھی۔اس نے جھٹکے سے اس کے بالوں کو چھوڑا تو وہ غیر متوازن ہوتی بیڈ کراؤن سے ٹکرا گئی تھی درد کی شدید لہر اس کے دماغ میں پھیل گئی۔وہ اٹھ کر دوسرا گلاس تیار کرنے لگا اور دوبارہ بیڈ پہ آ گیا۔

''جانتی ہو آج تم میرے بستر پر موجود ہو۔''کافی دیر خاموشی میں لمحے سرک گئے تو فریدون کی طنزیہ آواز نے اس خاموشی کو توڑ ڈالا۔

''جانتی ہوں لیکن تم شاید یہ بھول رہے ہو کہ تمہارے بستر پہ عین الحق نہیں، عین الحق ہاشمی موجود ہے، تم مجھے سڑک کنارے سے قیمت دے کر خرید کر نہیں بلکہ سینکڑوں لوگوں کی موجودگی میں کلمے پڑھ کے اپنی عزت بنا کر لائے ہو تم نے اپنے اور میرے درمیان کے فاصلے کو مٹانے کے لئے حلال اور جائز رشتے کی راہ اپنائی ہے ہمارے درمیان حرام نہیں ہے اور اب مجھے تمہارے بستر پر موجود ہونے سے کوئی شرمندگی نہیں تم میرے

شوہر اور میں تمہاری بیوی ہوں اور......''

''شٹ اپ...... جسٹ شٹ اپ۔'' وہ ہاتھ میں پکڑے گلاس کو عین الحق کے اوپر اچھال کر یکدم چیخ اٹھا تھا۔ حقیقت کا آئینہ بہت کڑوا اور سفاک تھا۔ وہ غصے سے پاگل ہونے کو تھا۔ عین الحق اس ناگوار مشروب سے بھیگ کر بری طرح جھنجھنا اٹھی تھی اس کے اعصاب تن گئے تھے۔

''تم وہی عین الحق ہو جس کو میں اپنے بستر پہ سجانا چاہتا تھا۔''

''میں وہ عین الحق نہیں ہوں وہ عین الحق کنواری تھی باپ کے نام سے جانی جانے والی۔ یہ عین الحق شادی شدہ ہے اپنے شوہر کے نام سے جانی جانے والی مسز فریدون ہاشمی۔''

وہ یکدم بپھر گیا تھا اس نے تھپڑوں سے عین الحق کو نڈھال کر ڈالا تھا وہ اس وقت کسی جنگلی کسی وحشی سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے عین الحق کے چند گنے چنے خوابوں کو مٹی کا ڈھیر بنا دیا تھا اس کی خواہشوں اس کے ارمانوں کو روند ڈالا تھا۔ وہ اپنی نئی زندگی کی ایسی شروعات پہ صبر وضبط کا گھونٹ پی کر رہ گئی تھی۔



شب بھراس کی وحشت اور درندگی کا نشانہ بننے کے باوجود بھی اس کے ہونٹوں پہ کوئی حرف شکایت نہ تھا لیکن جیسے ہی وہ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد اللہ سے دعا گو ہوئی تو بے اختیار دو نمکین موتی پلکوں سے ٹوٹ کر ہاتھ کی لکیروں میں گم ہو گئے تھے اور ان دو موتیوں کا شکوہ رب تعالیٰ نے جیسے اس گھڑی بہت غور اور بہت قریب سے سنا تھا۔ جب ہی اس کے دل پہ اتنا بوجھ ہونے کے باوجود ایک اطمینان سا اتر آیا تھا وہ خود کو پرسکون محسوس کرنے لگی تھی۔ اپنی روح اور جسم کا مجروح ہونا بھولنے لگا تھا وہ سب اس پاک ذات پہ چھوڑ کے جائے نماز سمیٹ کر اٹھ گئی۔ اس نے شاور لینے کے بعد جائے نماز کو ہر جگہ تلاشا اور اس تلاش میں وہ کمرے سے باہر بھی نکل گئی تھی اور اتفاق سے آج ایک ملازم جلدی بے دار ہو جانے کی وجہ سے اس کو ملازمہ کے کوارٹر سے جائے نماز لا کر دے گیا تھا۔ یعنی اس اتنے بڑے گھر میں ایک جائے نماز تک نہ تھی، مطلب اس گھر میں کوئی بھی نماز نہیں پڑھتا تھا۔

''کھڑکی بند کرو۔'' نشے میں بے سدھ سوئے فریدون نے کروٹ بدلی تو نئے دن کی روشنیاں آنکھوں میں چبھنے لگیں، تب ہی وہ بے زاری سے بولا اور کھڑکی میں کھڑی عین الحق نے آہستگی سے گردن موڑ کر پہلے اسے دیکھا پھر کھڑکی بند کی۔

رفتہ رفتہ کچھ چہل پہل کا احساس ہوا پھر دس بجے دروازے پہ دستک ہوئی تو اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ وہ اس کمرے سے آزاد ہونا چاہتی تھی اسے اس کمرے میں بو کا احساس ہو رہا تھا اور یہ بو اس کا سانس لینا محال کر رہی تھی۔ اس نے صوفے سے اٹھ کر دروازہ کھول دیا تھا۔ سامنے شارقہ بیگم کھڑی تھیں۔

''السلام علیکم۔'' اس نے احترام سے سلام کیا تھا وہ ہکا بکا کھڑی تھیں۔ عین الحق ان کی حیرت کا مطلب سمجھتی ریلیکس تھی۔

''یہ کیا ہوا؟'' ان کے استفسار پہ اس نے آہستگی سے سر جھکا لیا۔

''کچھ نہیں کل شاید بیوٹی پارلر میں میک اپ کے دوران کسی چیز سے سائیڈ افیکٹ ہو گیا ہے۔'' اس نے ٹال دیا وہ فریدون کی نوازش افشا نہیں کرنا چاہتی تھی بلکہ اپنے اور اس کے رشتے پہ بھرم کا ایک پردہ رکھنا چاہتی تھی۔ حالانکہ شارقہ بیگم ہمہ وقت بیوٹی پارلر کے چکروں میں رہنے والی خاتون تھیں کسی میک اپ کا اتنا سائیڈ افیکٹ ان کو ہضم نہیں ہوا تھا پھر کسی خیال کے تحت سر ہلا دیا۔

''تم کپڑے تبدیل کر کے تیار ہو جاؤ زری اور نومی تمہارا ناشتہ لے کر آ رہے ہیں، ان کا فون آیا تھا۔'' وہ کہہ کے پلٹ گئیں عین الحق دروازہ بند کر کے پلٹی تو فریدون کو باتھ روم میں گھستے دیکھا پھر وارڈ روب سے ایک ہلکا کاٹن کا سوٹ نکال کر پہن لیا۔

فریدون کوئی بھی بات کئے بنا شاور لے کر تیار ہوا اور کمرے سے نکل گیا لیکن سیڑھیوں کے قریب ہی شارقہ بیگم نے گھیر لیا۔

''یہ سب کیا ہے فریدون، عین الحق کا چہرہ دیکھا ہے تم نے؟'' اس کے لہجے میں تشویش اور خفگی تھی۔

''کیا ہوا اس کے چہرے کو؟'' وہ انجان بن گیا۔

''پلیز مجھے ٹالنے کی کوشش مت کرو میں جانتی ہوں یقیناً تم نے کچھ کیا ہوگا۔'' ان کو مزید غصہ آیا تھا۔

''سوری مام، شاید غصے میں ہاتھ اٹھ گیا تھا۔'' وہ لاپروائی سے کھڑا اپنے بالوں کو انگلیوں سے سلجھا رہا تھا۔

''ہاتھ اٹھ گیا تھا تمہیں خیال نہیں آیا کہ وہ ایک رات کی دلہن ہے اور گھر میں کتنے مہمان ہیں پھر ابھی ولیمہ کی رسم بھی باقی ہے لوگ دیکھیں گے تو کیا سوچیں گے اور تمہیں پتہ ہے اگر تمہارے باپ کو اس بات کا علم ہو گیا تو وہ حشر اٹھا دیں گے۔''

''پلیز مام، میں آج بہت سرشار ہوں مجھے ڈسٹرب مت کریں۔'' وہ بے زاری سے ہاتھ اٹھا کر ان کو روک چکا تھا۔ شارقہ بیگم جھنجھلا گئیں فریدون نیچے چلا گیا زری اور نومی ناشتہ لے کر آئے تو عائلہ بھی ساتھ تھی لیکن تب تک فریدون ناشتہ کر چکا تھا عائلہ کو جان کر کچھ حیرت ہوئی۔

''عینی، کیا کوئی بات ہوئی ہے تم دونوں کے درمیان؟'' عائلہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ عین کا دل ایک لمحے کو پگھلا پھر پگھلتے پگھلتے پتھر بن گیا۔ وہ اپنے درد کو دل میں دبا گئی تھی۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے آپ فکر مت کریں سب ٹھیک ہے۔'' وہ سر کو کچھ جھکائے ہوئے تھی تا کہ چہرے پہ نقش فریدون کی دیوانگی کو چھپا سکے، حالانکہ اس نے تھوڑا میک اپ کر کے اس نقش و نگار کو چھپانے کی حتیٰ الامکان کوشش کی تھی اور وہ لوگ اس کے جھکے چہرے کو شرم پہ محمول کرتے رہے تھے۔ شام کو ولیمہ کی رسم میں بھی وہ یونہی سر جھکائے ہوئے تھی، رخسانہ آنٹی اور جمال انکل بہت سی دعاؤں سے نواز رہے تھے اور بے اختیار ان کی دعاؤں نے اسے اپنے بابا کی کمی شدت سے احساس دلا دیا تھا اور وہ اس احساس کے زیر اثر ماحول سے ہی کٹ گئی۔



''عین تمہیں فریدون لینے آیا ہے بیٹا تیار ہو جاؤ۔'' وہ ولیمہ کے بعد دو دن اپنے میکے جمال انکل کے گھر آئی ہوئی تھی اور آج واپس جانے کی ہولناک خبر سننا پڑ رہی تھی اسے یوں لگا جیسے کسی نے اس کے لیے موت کا فرشتہ بھیج دیا ہو وہ جہاں بیٹھی تھی وہیں بیٹھی رہ گئی اسے گزشتہ دو راتیں یاد آئیں جو فریدون کے ساتھ گزاری تھیں اور ان کی یاد آتے ہی اس کے تن پہ کپکپاہٹ اور اذیت کی لہر دوڑ گئی تھی۔

''ارے ابھی تک ایسے ہی سر جھاڑ منہ پھاڑ بیٹھی ہو نیچے فریدون واپسی کے لئے بے چین ہو رہا ہے۔'' عائلہ نے اندر آتے ہی حیرت سے کہا تھا اور پھر کافی سستی اور کاہلی سے تیار ہوتی عین الحق کی مدد کی اور اپنے ساتھ نیچے لے آئی تھی۔ فریدون اسے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔

''او کے انکل ہم چلتے ہیں۔''

''اتنی جلدی کچھ دیر بیٹھو تو سہی۔'' انہوں نے روکنے کی کوشش کی مگر وہ رکنے پہ آمادہ نہیں تھا حالانکہ عین الحق تھوڑی دیر اور اس ماحول میں ٹھہرنا چاہتی تھی، لیکن پھر بھی سب سے مل کر رخصت ہونا پڑا تھا۔ گیٹ سے گاڑی کافی آہستہ رفتار سے باہر نکلی البتہ روڈ پہ آتے ہی ہواؤں سے باتیں کرنے لگی۔

''آئی مس یو۔'' اس نے بے اختیار اس کا ہاتھ پکڑ کر ہونٹوں سے لگا لیا تھا۔ عین الحق نے تڑپ کر اس جنگلی کو دیکھا جو بہت مہذب لباس میں ملبوس اپنے قریبی لوگوں کو دھوکہ دے رہا تھا، جس نے اپنی ذات پہ صرف انتقام کی خاطر نقاب چڑھا لیا تھا۔

''دو دن بیڈ روم میں تمہاری کمی بہت محسوس ہوئی۔'' وہ جس انداز میں کہہ رہا تھا۔ عین نے لب سختی سے بھینچ لئے تھے اور سر جھکا کر اپنے گود میں دھرے ہاتھوں کو بے وجہ دیکھنے لگی۔

''اور آج میں تمہاری واپسی کی خوشی کو سیلیبریٹ کرنا چاہتا ہوں تمہارے ساتھ انجوائے کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے گاڑی ایک مہنگے ترین ریسٹورنٹ کی پارکنگ میں پارک کرتے ہوئے کہا تھا۔ وہ یکدم اپنے خیالوں سے باہر نکلی تھی۔

''لیکن ہمیں تو گھر جانا تھا۔'' وہ ہونق بنی ایک نظر ریسٹورنٹ اور فریدون کو دیکھ کر استفسار کر رہی تھی۔

''گھر بھی جائیں گے میری جان، پہلے میرے ساتھ کچھ انجوائے تو کرو۔'' اس کی سائیڈ کا دروازہ کھولتے ہوئے عین کا بازو پکڑ کر وہ اسے گاڑی سے باہر لے آیا تھا۔

''آؤ نا یار موڈ خراب مت کرو۔'' وہ اسے لے کر اندر آ گیا، لیکن اندر ''انجوائے منٹ'' کا سامان دیکھ کر وہ چکرا گئی۔ سائم، حارث اور ان کے ساتھ تین لڑکیاں بھی تھیں بے باکی کا دور عروج پہ تھا۔ فریدون کو دیکھ کر کافی ہلچل ہوئی۔

''ہیلو فریدون۔'' ایک لڑکی نے اٹھ کر بے تکلفی کی حد کر ڈالی اور عین کے ماتھے پہ شرم سے پسینہ پھوٹ پڑا۔

''کیسے ہو؟ تم نے اپنی شادی میں ہمیں انوائٹ بھی نہیں کیا۔'' دوسری والی نے پہلے والی سے زیادہ بے تکلفی جتائی تھی۔ وہ فریدون کی بانہوں میں بانہیں ڈالے کھڑی تھی۔

''آج تو انوائٹ کر لیا ہے نا یہ ہیں ہماری مسز......'' اس نے طنزیہ نظروں سے اس کی طرف اشارہ کیا۔

''اوہ ہائے۔'' انہوں نے ہاتھ آگے بڑھائے اور مجبوراً عین کو سلام کرنا پڑا تھا ورنہ اسے اس ماحول اور لوگوں سے گھن آ رہی تھی۔

''ہیلو بھابھی!'' وکی سائم اور حارث نے کورس میں کہا تھا۔

''او کے آپ لوگ بیٹھیں ہم ابھی آ رہے ہیں۔'' فریدون ایک لڑکی کے ساتھ آگے بڑھا۔

''پلیز مجھے گھر چھوڑ دیں۔'' اس نے بے ساختہ فریدون کو پکار لیا تھا۔

''گھر جانا ہے تو آدھا گھنٹہ انتظار کرو میں آدھے گھنٹے تک آ جاؤں گا اوپر روم میں جا رہا ہوں۔'' وہ کہہ کے چلا گیا اور عین کو اپنا آپ بھی غلاظت میں لتھڑا ہوا لگ رہا تھا۔ اسے اپنے آپ سے وحشت ہونے لگی۔

''بھابی آپ بیٹھیں نا اس طرح کھڑی کیوں ہیں۔'' شراب کے نشے میں لڑکھڑاتے وکی نے آگے بڑھ کر کہا تو وہ یکدم بدک کے پیچھے ہو گئی تھی۔

''شٹ اپ ڈونٹ ٹچ می۔'' وہ یکدم چیخی اور پھر وہاں سے پلٹ کر باہر نکلی آئی مگر پارکنگ تک آتے آتے اس کے کافی آنسو بہہ چکے تھے وہ اندر سے بھاگتی ہوئی یہاں تک آئی تھی۔

''اوہ میرے خدایا۔'' اس نے گاڑی کے قریب آ کر اپنا سر تھام کر گاڑی سے ٹکا دیا تھا۔

''اتنی گندگی اتنی غلاظت اتنے گرے ہوئے انسان ہیں کبھی تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔'' اس نے بلک بلک کر روتے ہوئے ایک جھرجھری سی لی تھی۔ اپنے آپ سے وہ مخاطب نجانے کیا کہہ رہی تھی پھر دس پندرہ منٹ بعد سنبھلی تو خیال آیا کہ فریدون اس کو سزا دینے کے لئے کبھی نہیں آئے گا

اس لئے اس نے وقت کا احساس کر کے جلد از جلد گھر جانے کا ارادہ کر لیا اور آگے بڑھ کر ٹیکسی روکنے لگی اور قریب ہی ایک ٹیکسی کے ٹائر تھم گئے۔

''یہ کیا کر رہی ہو؟'' یکدم جھٹکے سے اس نے عین کو بازو سے پکڑ کر اپنی سمت کھینچ لیا تھا۔

''پلیز تم جاؤ......'' فریدون نے ٹیکسی ڈرائیور کو جانے کا اشارہ کیا تھا۔

''مجھے اس وقت گھر جانا ہے، میں راتوں کو گھر سے باہر رہنے کی عادی نہیں ہوں۔''

''اور میں اپنی بات سے انکار اور اختلاف سننے کا عادی نہیں ہوں۔'' وہ غصے سے اسے جھنجھوڑ چکا تھا۔

''میں نے تم سے کہا تھا کہ آدھے گھنٹے تک آ جاؤں گا آدھا گھنٹہ ویٹ کرو پھر بھی تم اپنی من مانی سے باز نہیں آئیں۔'' وہ کھینچتا ہوا اس کو گاڑی تک لایا اور پھر اس کے بیٹھتے ہی گاڑی سٹارٹ کر دی تھی۔

''اتنی دیر کر دی تم لوگوں نے کہاں رہ گئے تھے؟'' مقبول ہاشمی اپنی بہو اور بیٹے کے انتظار میں بیٹھے تھے انہیں آتے دیکھ کر فوراً تشویش کا اظہار کیا۔

''السلام علیکم۔'' وہ آگے بڑھی اور ان کو سلام کیا تھا۔

''جیتی رہو، اللہ نصیب اچھا کرے۔'' انہوں نے شفقت سے کہتے ہوئے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔ فریدون کوئی نمبر پریس کرتا سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا عین الحق کچھ دیر ان کے پاس ٹھہری پھر مقبول ہاشمی نے خود ہی اسے جانے کو کہہ دیا۔

''تم بھی اب آرام کرو کل بات ہوگی۔'' وہ خود بھی اس وقت اپنے بیڈروم میں جانے کا ارادہ رکھتے تھے وہ بھی اوپر آ گئی۔

کمرے میں انگلش میوزک بج رہا تھا لائٹس آن تھیں اور خود وہ شرٹ کے بٹن کھولے صوفے پہ بیٹھا سامنے ٹیبل پہ دھری بوتلوں اور گلاس سے شغل فرما رہا تھا۔ وہ اعصاب کنٹرول کرتی ہوئی باتھ روم میں جانے لگی۔

''ادھر آؤ۔'' اس کی آواز نے اس کے قدم روک لئے تھے لیکن وہ مڑی نہیں۔

''ادھر آؤ۔'' اس نے ذرا سختی سے کہا تو عین الحق نے مڑ کر دیکھا۔

''بہری ہو گئی ہو۔'' وہ یکدم چیخا اور گلاس زور سے زمین پہ دے مارا گلاس ایک چھناکے سے ٹوٹ کر بکھر گیا اس کی کرچیاں دور تک بکھری تھیں اور عین کو اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ دیکھ کر وہ دندناتا ہوا خود قریب آ گیا۔ اس نے غضب ناکی سے عین کو دبوچنا چاہا، مگر وہ بدک کے پیچھے ہٹ گئی۔

''ڈونٹ ٹچ می مسٹر فریدون ہاشمی۔'' وہ اس سے بھی زیادہ غضب ناکی سے بولی۔ اس نے چونک کر دیکھا تو عین کے تیور بہت غضب ناک تھے۔

''تم مجھے روک رہی ہو؟''

''ہاں تمہیں روک رہی ہوں، کیونکہ مجھے گھن آ رہی ہے تم سے تمہارے وجود، تمہارے ہاتھوں اور تمہاری آنکھوں سے، نفرت ہو رہی ہے مجھے تمہارے ہونے سے۔'' وہ آج شدت نفرت سے چیخ اٹھی تھی۔

''شٹ اپ!'' وہ دھاڑا تھا۔

''یو شٹ اپ مسٹر فریدون ہاشمی! میں تمہاری گھٹیا حرکتیں برداشت تو کر سکتی ہوں مگر ان گھٹیا حرکتوں میں شریک نہیں ہو سکتی۔ تم اپنی جیسی گندی اور گری ہوئی عورتوں کے ساتھ سوٹ کرتے ہو۔ انہی کے ساتھ ایسی حرکتیں کرو گے تو اچھے لگو گے۔'' وہ سارے ضبط توڑ کر بول پڑی تھی لیکن پھر فریدون کے عتاب سے نہ بچ سکی تھی۔



زندگی یوں داغ داغ ہوگی اس کے وہم و گمان بھی نہیں تھا بدن دھجی دھجی کیا ہوا کہ روح بھی کسی شیشے کی مانند ٹوٹ کر بکھرنے لگی۔ وہ ''ہاشمی ولا'' میں ایک زخمی پرندے کی طرح پھڑ پھڑاتی رہ گئی فریدون ہاشمی نے اپنے انتقام کی حقیقتاً انتہا کر ڈالی تھی اور اس قدر انتہا کر دی کہ وہ اپنی زندگی سے دستبردار ہو جانے کا سوچنے لگی۔

''اے اللہ! میں جانتی ہوں موت مانگنا گناہوں میں شمار ہوتا ہے۔ لیکن اتنی اذیت میں ہوں کہ تجھ سے موت مانگتی ہوں میری سانس روک لے۔'' وہ ٹیرس پہ کھڑی سرمئی آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ پھیلا کر ڈبڈبائی آنکھوں اور گلوگیر لہجے میں اپنے رب سے التجا کر رہی تھی۔ فریدون نے دن رات کے چکر کو اذیت کا چکر بنا رکھا تھا۔

دن میں وہ کئی لڑکیوں کے ساتھ ہوتا تھا رات کو بھی اکثر وہ دیر سے گھر آتا اور وہ بھی نشے کی حالت میں ایسے میں کبھی جو عین الحق کی طرف سے کسی بات پہ انکار سننے کو ملتا وہ بپھر جاتا۔ غصے میں اندھا ہو کر وہ اس کو اذیت سے ہمکنار کر دیتا تھا اور لبوں کو سیے ہر وار سہہ جاتی ہر زخم پر ضبط سے کام لیتی تھی اس نے آج تک اپنا درد کسی سے نہیں کہا تھا کہنے کا سوچتی تو اپنی ہی بہن کے الفاظ یاد آنے لگتے۔

شادی سے پہلے اسے اپنی سگی بہن کے الفاظ نے اتنا دلبرداشتہ کیا کہ اپنے آپ کو سچ مچ ایک بوجھ سمجھ کر اس نے سب کو اپنے بوجھ سے آزاد کر دیا تھا۔ سب کی پریشانیوں کو اپنے آنچل میں سجا لیا تھا اور اب دوبارہ وہ ان لوگوں کو اپنی ازدواجی زندگی کا حال سنا کر ٹینشن نہیں دینا چاہتی تھی بلکہ اب تو بدن جتنا بھی زخموں سے چور ہوتا وہ پھر بھی سب سے مسکرا کر پیش آتی تھی۔ اپنی روح پہ پڑے آبلے اور دل میں پھیلے شگاف پہ پردہ ڈالے رکھتی تھی۔ وہ سب سے درد چھپا کر صرف ایک ہستی کے سامنے اپنے تمام درد کھول کے رکھ دیتی تھی اور وہ ہستی رب تعالیٰ کی پاک ہستی تھی اور وہی ہستی تھی جو اتنے کڑے حالات میں بھی اس کی ہمت بندھا رہی تھی۔

ٹیرس پہ کھڑے کھڑے اسے خنکی کا احساس ہوا تو اندر آ گئی۔ عشاء کی نماز ابھی پڑھنی تھی اس نے ڈور بند کر دیا اور وضو کرنے باتھ روم میں آ گئی۔

وہ اپنی دھن میں گنگناتا بہکتا ہوا سرشار سا کمرے میں داخل ہوا لیکن وہ کمرے میں کہیں بھی دکھائی نہ دی تھی۔ باتھ روم کا بند دروازہ دیکھ کر قیاس کیا کہ وہ اندر ہوگی اسی لئے آرام سے سگریٹ سلگا کر وہ اپنا پسندیدہ مشروب نکال کر پینے لگا پانچ دس منٹ انتظار کیا پھر مجبوراً اٹھ کر دروازے پہ دستک دی تو وہ خود بخود کھلتا چلا گیا تھا لیکن عین الحق کو وہاں بھی نہ پا کر ٹھٹک گیا تھا۔

''کہاں گئی؟'' وہ متفکر سا باہر نکلا پھر ڈریسنگ روم کے دروازے کے نیچے سے آتی روشنی کو دیکھ کر قدم تھم گئے۔

''اوہ تو اب اپنے چھپنے کا ٹھکانہ ڈھونڈ لیا ہے محترمہ نے۔'' وہ استہزائیہ ہنسا اور یونہی ایک ہاتھ کی انگلیوں میں سلگتے سگریٹ اور دوسرے ہاتھ میں تھمے گلاس کے ہمراہ اس نے پاؤں کی ٹھوکر سے دروازہ کھولا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ بہت عاجزی اور انکساری سے جھکی نماز ادا کر رہی تھی...... اور فریدون ہاشمی اپنی جگہ پہ جم کے رہ گیا تھا اس نے اپنے گھر میں کسی کو پہلی بار نماز پڑھتے دیکھا تھا اور اس نے کسی کا اتنا خشوع خضوع بھی پہلی بار دیکھا تھا اس نے آج تک اپنی ماں اور اپنے باپ کو اللہ کی بارگاہ میں جھکتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اللہ سے اتنی توجہ سے محو گفتگو تھی کہ اس کا اس طرح آنا اور دروازہ کھولنا بھی محسوس نہیں کر پائی تھی اور یونہی محویت سے نماز ادا کرتی رہی اور چوکھٹ میں کھڑا فریدون رب تعالیٰ اور عین الحق کے ربط کو محسوس کرتے ہوئے نجانے کیوں بے چین ہو گیا تھا۔ اسے بھی کسی خواہش کا احساس ہوا تھا نماز کے بعد دعا کے لئے اٹھے اس کے ہاتھ دیکھ کر فریدون کے دل پہ ایک سایہ سا اترنے لگا۔ سگریٹ انگلیوں کو چھونے کے قریب تھا اس نے یکدم نیچے پھینک دیا اور پھر مسل ڈالا۔ دوسرے ہاتھ میں تھمے گلاس کو دیکھا تو عجیب سا لگا اتنے میں اس کا موبائل بجنے لگا۔

''ہیلو فریدون! تم نے تو کہا تھا تم کچھ دیر تک آ جاؤ گے۔'' دوسری طرف اپنی نئی گرل فرینڈ کی آواز سن کر اس نے بے اختیار کال منقطع کر ڈالی تھی اور عین الحق اس موبائل ٹیون کی آواز سے بھی نہ چونکی تھی۔ وہ بہت گہرے اور پر اثر لمحات کے حصار میں تھی فریدون پلٹ کر کمرے کے وسط میں آ گیا گلاس کو یونہی بے دھیانی میں ٹیبل پہ رکھ دیا اور خود بیڈ پہ ڈھیر ہو گیا آنکھوں کو زور سے بھینچا تو کچھ دیر پہلے کا منظر نگاہوں کے پردے پہ اجاگر ہونے لگا۔ عبادت میں مشغول عین اسے ایک الگ ہی ہستی محسوس ہوئی تھی ملکوتی حسن میں چھلکتا نور اور پاکیزگی اس کا زیور بنے ہوئے تھے۔ اسے آج خود ہی نجانے کیوں عین الحق خود سے بہت بلند نظر آئی جس کو دیکھنے کے لئے گردن کو اٹھانا پڑا مگر وہ گردن اٹھانے کی ہمت خود میں نہیں پا رہا تھا اور خیالات سے گھبرا کر وہ یکدم پوری قوت سے عین الحق کو پکار بیٹھا تھا۔

''عین!'' اس نے دوبارہ پکارا تھوڑی دیر بعد وہ اس کے سامنے آ رکی تھی۔

''کیا بات ہے؟'' وہ بہت نرمی اور تحمل سے پوچھ رہی تھی۔ فریدون نے اسے سرتاپا گہری لیکن بے چین نظروں سے دیکھا۔

''کچھ نہیں جاؤ تم۔'' وہ اضطراری انداز میں اپنے بالوں میں انگلیاں پھنسانے لگا۔

''طبیعت خراب ہے؟'' اس نے بدک کر عین کو دوبارہ دیکھا اسے عین الحق سے اس سلوک اور رویے کی توقع نہیں تھی کیونکہ جو کچھ وہ اس کے ساتھ کر چکا تھا وہ اس رویے کا حق دار نہیں تھا اس نے عین الحق کو ان تین چار ماہ میں اذیت کے کیسے کیسے پل صراط سے گزارا تھا وہ اچھی طرح جانتا تھا اور اس کے بعد اس سے ایسا سلوک مقام حیرت ہی تو تھا۔

''یہ لیں سر درد بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ پانی اور ٹیبلٹ لئے اس کے سامنے کھڑی تھی اس نے لینے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔

''کہیں بخار تو نہیں؟'' اس نے اس کی سرخ پڑتی آنکھوں کو دیکھ کر نتیجہ اخذ کیا لیکن وہ کچھ بھی کہے بنا رخ موڑ گیا پھر وہ بھی زیادہ اصرار کرنے کی بجائے سونے کے لئے لیٹ گئی۔ فریدون کا جی چاہا وہ اس کو چھوئے بانہوں میں بھر کے محسوس کرے لیکن چاہ کر بھی وہ اپنے سے چند انچ کے فاصلے پہ لیٹی عین الحق کو نہ چھو سکا، نہ اپنے قریب کر سکا تھا اگرچہ اس نے بارہا اس کو چھوا تھا بانہوں میں محسوس کیا تھا اور اسے خود سے قریب تر کیا تھا

مگر ایسی جھجک پہلے کبھی محسوس نہ ہوئی تھی جیسی آج اس وقت ہو رہی تھی اسے یوں لگ رہا تھا عین بہت مضبوط حصار میں ہے اس کے گرد ایک ان دیکھا ہالہ بنا ہوا ہے وہ اک ایسے دائرے میں ہے جس میں فریدون قدم بھی نہیں رکھ سکتا اور اسی احساس کو سوچتے سوچتے رات آنکھوں میں بتا دی تھی۔



اپنے آپ کو فراغت سے بچانے کے لیے اس نے گھر کے کاموں میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔ ملازموں سے ڈسٹنگ کروانا خود مالی کے ساتھ لگ کر لان کو سنوارنا اور کچن کی تمام ذمہ داری اس نے اپنے کندھوں پہ لے لی تھی اور اس ذمہ دار کا نتیجہ چند ہی دنوں میں نظر آنے لگا۔ مقبول ہاشمی تو پہلے ہی گھر میں کھانا کھاتے تھے لیکن کھانے کی لذت اور مہک نے پہلے شارقہ بیگم اور پھر فریدون کو بھی کھانا گھر کھانے پہ مجبور کر دیا تھا وہ سب چاہے جہاں بھی ہوتے لیکن ڈنر کے وقت گھر پہنچ جاتے تھے اسی طرح عین الحق نے رفتہ رفتہ صبح کے ناشتے کا بھی ایک معمول بنا لیا تھا۔ ان کی زندگی غیر محسوس انداز میں ایک روٹین پہ آتی چلی گئی۔

شارقہ بیگم اپنی نئی نویلی بہو کا گھر پہ راج دیکھ کر چونک اٹھی تھیں اور اس کے راج کرنے کے پہلوؤں پہ غور کیا تو معلوم ہوا وہ کہیں آتی جاتی نہیں، سادہ لیکن باوقار لباس میں ہوتی ہے، صبح فجر کی اذان کے ساتھ ہی اٹھ جاتی ہے، گھر کے پودوں اور پھولوں سے لے کر گھر کے افراد تک کا خیال رکھتی ہے۔ اپنے اتنے بے رحم اور فلرٹی شوہر کے لئے بھی اپنا آپ سنبھال کر رکھتی ہے، نہ باپ کی عزت میں خیانت کرتی تھی نہ شوہر کی اور اپنے اچھے برے کا فیصلہ اللہ پہ چھوڑ کر مطمئن ہو جاتی ہے اب اس کے ساتھ اچھا ہو یا برا وہ اس بات پہ واویلا نہیں کرتی بلکہ اچھے اور برے دونوں کو اللہ کا فیصلہ سمجھ کر کمپرومائز کرتی ہے اس پہ صبر کرتی ہے۔

شارقہ بیگم عین الحق کی حرکتوں کا نوٹس لیتی تھیں اور اس کی سب حرکتیں سب کام ان سے مختلف تھے وہ الگ تھی اور اس گھر میں آ کر بھی ان سے الگ ہی نظر آتی تھی اور اس نے اس گھر کو بھی اپنے سانچے میں ڈھال لیا تھا آہستہ آہستہ گھر کے در و دیوار ایک گھر کے در و دیوار محسوس ہونے لگے تھے ورنہ پہلے یہ گھر صرف ایک مکان تھا سونے کے لئے یا پھر کپڑے تبدیل کرنے کے لئے کیونکہ کھانا تو وہ پہلے ہی ہوٹلوں سے کھاتے تھے اس مکان میں وہ تب ہی آتے جب آرام کرنا ہوتا تھا یا لباس تبدیل کرنا ہوتا تھا مگر اب وہ اپنے گھر میں کھاتے تھے اور شام ڈھلے گھر بھی آ جاتے تھے اور بڑی بات یہ کہ وہ اب گھر میں دلچسپی لینے لگے تھے...... شارقہ بیگم اپنی بہو میں دلچسپی لے رہی تھیں۔



وہ روٹین کے مطابق رات دیر سے گھر آیا تھا اور آتے ہی بیڈ پہ گر گیا پانچ منٹ یونہی گزر گئے پھر اپنے کندھے کے نیچے کسی گرم چیز کا احساس ہوا تھا، کسلمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس چیز کو اپنے کندھے کے نیچے سے نکالنا چاہا لیکن جب اس کو چھوا تو فوراً رک گیا۔ آنکھوں سے نشہ اور نیند ہوا ہو گئے۔ عین کا ہاتھ انتہائی گرم ہو رہا تھا۔ اس نے تشویش سے اس کی پیشانی کو چھوا اور اسے تیز بخار میں پھنکتے ہوئے پایا۔

”اسے اتنا تیز بخار ہے اور یہ اس طرح پڑی ہے؟“ اس نے بے اختیار اس پہ کمبل ڈال دیا تھا۔

”عین...... عین۔“ وہ اس کا گال تھپکتے ہوئے متفکر سا کہیں سے بھی لاپروا بے رحم اور ہٹ دھرم فریدون نہیں لگ رہا تھا بلکہ وہ بہت احساس

اور چاہنے والا فریدون نظر آ رہا تھا۔ چند ثانیے اس نے عین کو بخار میں بے سدھ دیکھا پھر لپک کر باہر نکل گیا اور اپنی گھبراہٹ میں اس نے مقبول ہاشمی اور شارقہ بیگم کو بھی نیند سے جگا دیا۔

''خیریت؟'' وہ اپنے گاؤن کی ڈوری باندھ رہے تھے آنکھوں میں نیند کا غلبہ تھا شارقہ بیگم بھی بمشکل کھڑی دکھائی دے رہی تھیں......

''وہ پاپا عین کو بہت تیز بخار ہے وہ ہوش میں نہیں ہے۔'' فریدون کے چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔''

''تم نے ڈاکٹر کو بلایا؟''

''نن......نہیں!'' وہ حد سے زیادہ گھبرایا ہوا تھا۔

''تو پھر دیکھ کیا رہے ہو ڈاکٹر کو فون کرو'' انہوں نے عجلت میں کہہ کر قدم آگے بڑھا دیئے تھے۔ فریدون فون ملانے لگا......

''مبارک ہو مسز ہاشمی آپ دادی بننے والی ہیں۔'' ڈاکٹر کی اطلاع پہ وہ لوگ حیرت اور خوشی کی ملی جلی کیفیات میں گھر گئے تھے وہ اس خبر کی توقع ہی نہیں رکھتے تھے۔ اچانک اس خوشخبری نے ان کو عجیب احساس سے دوچار کر دیا۔ مقبول ہاشمی بیوی سے الگ جا کر تنہا گوشے میں جائے نماز بچھا کر اللہ کا شکر ادا کرنے لگے تھے۔ شارقہ بیگم کو بھی اس خبر نے اندر ہی اندر کافی خوش کیا شاید ان کو امید ہو چلی تھی کہ اب فریدون کے روز شب بدل جائیں گے اور وہ تمام الزام سے آزاد ہو جائیں گی اور فریدون ابھی بھی کمرے کے بیچوں بیچ کھڑا عین الحق کو دیکھے جا رہا تھا اسے اپنی کیفیت سمجھ نہیں آ رہی تھی رات لمحہ لمحہ بیت رہی تھی اور فریدون ڈھیلے ڈھالے انداز میں قدم اٹھاتا عین کے بالکل قریب آ بیٹھا تھا۔ ڈاکٹر نے انجکشن دیئے تھے اور صبح تک ہوش میں آ جانے کا کہا تھا۔

''تم بہت غلط کر رہی ہو عین، بہت غلط......'' اس نے عین کے ہاتھ کو تھاما پھر یکدم اضطراری انداز میں چھوڑ کر باہر نکل گیا تھا۔



''تم پیچھے ہٹو میں کر لیتی ہوں۔'' شارقہ بیگم نے اسے کھانا ٹیبل پہ لگانے سے روکا لیکن اس نے انکار کر دیا۔

''چھوٹوں کا فرض ہے کہ وہ بڑوں کی خدمت کریں۔''

''لیکن بیٹا تمہاری طبیعت خراب ہے، تمہاری آنٹی ٹھیک کہہ رہی ہیں تم بیٹھ جاؤ......'' مقبول ہاشمی کی مداخلت پہ شارقہ بیگم نے چونک کر دیکھا مقبول ہاشمی پہلی مرتبہ یوں نرمی سے ان کا ذکر رہے تھے ورنہ کافی عرصہ سے مقبول ہاشمی اور شارقہ بیگم میں بات چیت بند تھی۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں مجھے آرام کرنا اچھا نہیں لگتا۔'' وہ ٹیبل پہ برتن سجا رہی تھی اتنے میں فریدون آ گیا۔ وہ کچھ الجھا الجھا نظر آ رہا تھا اور یہ کیفیت کافی دنوں سے محسوس ہو رہی تھی۔

''آج زیادہ تھکے ہوئے لگ رہے ہو؟'' مقبول ہاشمی نے محبت سے کہتے ہوئے بیٹے کے شانے پہ ہاتھ رکھ کے دبایا تھا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں بس یونہی سر درد کر رہا تھا۔'' وہ ایک نظر عین الحق کو دیکھ کر اپنی پلیٹ پہ جھک گیا۔

''آؤ کچھ دیر باہر چلتے ہیں۔'' کھانا کھانے کے بعد وہ اس کے پیچھے کچن میں آ گیا۔ عین بری طرح ٹھٹک گئی اور مشکوک نظروں سے اس کو

سرتاپا دیکھا۔

وہ کافی ڈھیلے ڈھالے انداز میں کھڑا تھا مگر وہ اس فریبی پہ اعتبار نہیں کر سکتی تھی جو انتقام لینے کے لئے خود کو مکمل بدل کر دکھا سکتا تھا۔ وہ اس کو ذلیل وخوار کرنے کے لئے موڈ بھی بدل سکتا تھا۔

''آئم سوری میں کہیں نہیں جا سکتی۔'' وہ ہاتھ میں پکڑا دہی کا باؤل فریج میں رکھنے لگی۔

''پلیز صرف تھوڑی دیر کے لئے اونلی سکسٹی منٹس......''

''سکسٹی منٹس تو کیا میں اونلی سکسٹی سیکنڈز بھی آپ کے ساتھ نہیں جا سکتی اور ویسے بھی آپ کے ساتھ جانے والی اور بہت ہیں کسی کے ساتھ بھی جا سکتے ہیں۔'' وہ کافی عرصہ سے اپنے اور فریدون کے درمیان حائل ہونے والی خاموشی کے بعد سے فریدون کو اب ''تم'' کی بجائے ''آپ'' کہنے لگی تھی۔

''لیکن میں تمہارے ساتھ جانا چاہتا ہوں، تم میری فیلنگ سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتی ہو؟'' اس نے بازو سے پکڑ کر اسے اپنے سامنے کر لیا۔ عین نے اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کی تو فریدون نے اسے یکدم بانہوں میں جکڑ لیا۔

''جس انسان کی کوئی فیلنگ ہی نہ ہو میں اس کو سمجھنے کی کوشش ہی کیسے کروں۔'' اس نے کہتے ہوئے سر جھکا لیا۔

''یعنی تمہاری نظر میں، میں بے حس اور احساس سے عاری انسان ہوں؟'' اس نے سختی سے عین کا چہرہ ٹھوڑی سے پکڑ کر اونچا کیا تھا۔ جواباً وہ چپ رہی تھی اور پلکوں کو بھی جھکائے رکھا۔

''بولو نا کیا سمجھتی ہو مجھے؟'' وہ اس کے گرد بانہوں کا گھیرا تنگ کرتے ہوئے بولا تھا۔

''پلیز چھوڑیں مجھے۔'' وہ بات کو ٹال رہی تھی لیکن فریدون ٹال مٹول کے موڈ میں نہیں تھا۔

''میرے ساتھ چل رہی ہو نا؟'' وہ انتہائی آہستگی سے بولا۔ عین الحق کو اس کی قربت اس کے لہجے اس کے حصار سے پہلی بار پسینہ آیا۔

''نہیں۔'' وہ ابھی بھی نفی میں گردن ہلا رہی تھی۔

''مجھ پہ اعتماد نہیں ہے نا اس لئے؟''

''ہاں......'' وہ بھلا انکار کیوں کرتی صاف کہہ دیا۔

''لیکن میں چاہتا ہوں تم مجھ پہ اعتماد کرو'' وہ اس کے اتنے قریب کبھی نہیں ہوئی تھی کہ وہ اسے اتنے غور سے دیکھ سکتا کیونکہ رات کو جب وہ قریب ہوتی تھی وہ نشے میں ہوتا تھا اس کی نگاہوں کی محویت نے عین کو حقیقتاً کنفیوژ کر دیا۔

''پلیز چھوڑیں مجھے ابھی چائے بنانی ہے انکل انتظار کر رہے ہوں گے۔'' وہ پوری قوت لگا کر اس کے حلقے سے نکلی۔

''میں تمہارا گاڑی میں انتظار کر رہا ہوں چائے بنا کر آ جاؤ'' وہ مڑ کر چلا گیا لیکن عین اس کے ساتھ نہ گئی وہ بہت دیر تک اس کا انتظار کرتا رہا۔



''میں پاگل ہو چکا ہوں وکی، میں پاگل ہو چکا ہوں وہ میرے حواسوں پہ سوار ہو گئی ہے۔ میں نے تو اسے چھوڑ دینے کا سوچا تھا لیکن وہ...... وہ تو مجھے صاحب اولاد کرنے چلی ہے...... میں اسے چھوڑ بھی نہیں سکتا۔ میں پاگل ہو چکا ہوں مجھے اس کے سوا کوئی بھی چیز اچھی نہیں لگتی میں ہر جگہ ہر منظر میں اسے دیکھنے لگا ہوں۔'' وہ فلور کشن پہ بیٹھا دونوں ہاتھوں میں سر تھامے یکدم پھٹ پڑا تھا۔

''بس یار یہ پل دو پل کا نشہ ہے اتر جائے گا ابھی تجھے اس کے ساتھ رہتے ہوئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں رفتہ رفتہ اپنا اثر کھو دے گی پھر تم اپنے پلان کے مطابق اسے طلاق دے دینا۔''

''شٹ اپ۔ جسٹ شٹ اپ!'' وہ یکدم دھاڑا تھا۔

''تمہیں اس کے بارے میں اس بے ہودہ انداز میں بات کرنے کا کوئی حق نہیں۔'' وکی نے حیرت اور تعجب آمیز نگاہوں سے فریدون کو دیکھا تھا جو کل تک خود اس کے بخیے ادھیڑتا تھا آج اس کے بارے میں کسی اور کے الفاظ برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔

''تو پھر مان لو کہ اب وہی عمر بھر کے لئے تمہاری بیوی ہے اور تمہیں اب اسی کے ساتھ عمر گزارنی ہے۔''

''وکی پلیز، میں اپنی کیفیت خود سمجھ نہیں پا رہا۔ میں بہت بے سکون ہوں مجھے اس کے سوا کہیں سکون نہیں ملتا اگر میں نے اس کو اپنی زندگی سے نکال دیا تو عمر بھر کے لئے بے سکون ہو جاؤں گا؟''

''اوہ تو آ گئے اسی مقام پر جہاں عام روایتی مرد کھڑے ہوتے ہیں، تم بھی ایک عورت کی زلف میں زنجیر ہو کر سب کچھ ہار گئے۔ تمہیں بھی ایک عورت نے آخر کار ہرا ہی دیا۔'' وکی نے استہزائیہ کہا تھا فریدون اندر ہی اندر تلملایا۔

''یہی تو بات ہے وکی اس نے مجھے زلف میں زنجیر نہیں کیا۔ اس نے مجھے دوسری لڑکیوں کی طرح اپنا آپ نہیں سونپا اس نے مجھے اولیت نہیں دی اور میں اس کے سامنے سب کچھ کیوں ہار گیا ہوں؟ اس بات کا خود مجھے بھی اندازہ نہیں۔ میں اپنی کیفیات خود ہی سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔'' فریدون کافی الجھن کا شکار تھا۔

''ہیلو! تم دونوں یہاں ہو اور میں فریدون کے گھر سے بھی ہو آیا ہوں۔'' سائم اندر داخل ہوتے ہوئے بولا۔

''خیریت؟'' وکی نے دریافت کیا۔

''ہاں وہ کل میری سسٹر کا نکاح ہے۔ تم دونوں کو انوائٹ کرنے آیا ہوں۔''

''اتنی اچانک خیر تو ہے؟'' دوبارہ پوچھا گیا تھا۔

''ہاں خیریت ہے ان فیکٹ جہاں میری سسٹر کی شادی ہو رہی ہے وہ لوگ کافی مذہبی قسم کے مولوی ٹائپ لوگ ہیں ہم شادی دھوم دھام سے ارینج کرنا چاہتے تھے مگر انہوں نے سادگی سے نکاح کرنے پہ اصرار کیا ہے اس لئے کل نکاح کا وقت طے ہوا ہے چند ہی لوگوں کو انوائٹ کیا ہے پلیز تم لوگ ضرور آنا۔'' سائم اصرار کے ساتھ انوائٹ کر رہا تھا ان کو ہامی بھرنا پڑی تھی اور پھر دوسرے روز وہ لوگ مقررہ وقت پہ نکاح میں شریک تھے اور اس نکاح میں شریک ہو کر فریدون کو کچھ جاننے کا سرا ملا تھا وہ پر سوچ ہو گیا۔



''میں نے بچپن سے ہی اپنے باپ کو گھر سے غیر حاضر پایا تھا اور ماں کو مختلف رنگ برنگی چیزوں میں مصروف دیکھا تھا باپ کے لئے استفسار کیا تو ماں نے کہہ دیا کہ وہ ہمارے لئے روپیہ کماتے ہیں، اس لئے دور رہتے ہیں کبھی کبھار وہ آتے لیکن پھر بھی مجھ سے پیار نہ کرتے تھے، پیار تو دور کی بات جب وہ پاکستان آتے تب بھی گھر سے باہر ہی دن گزار کر چلے جاتے تھے۔ میں سکول سے واپس آتا تو گھر خالی ملتا تھا کبھی ماں کو اپنا انتظار کرتے نہیں دیکھا یہی وجہ تھی کہ میں بھی گھر سے باہر رونقیں اور مصروفیت تلاش کرنے لگا کبھی کبھی تو میں سکول سے گھر ہی نہ آتا اپنے دوستوں کے ساتھ سکول بیگ سمیت کھیلنے کے لئے رک جاتا تھا، کبھی جو دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر ماں کے قریب جاتا تو وہ سائیڈ پہ بیٹھنے کا اشارہ کر دیتیں۔

''صوفے پہ بیٹھو میری ساڑھی خراب ہو جائے گی۔'' ان کے اس جملے سے ان کی ساڑھی تو بچ جاتی مگر میرا دل خراب ہو جاتا تھا اور پھر میرا دل خراب ہوتا چلا گیا اپنی ماں کو اور ان کی کمپنی کی عورتوں کو دیکھ کر ہی مجھے احساس ہوا تھا کہ عورت جتنی جلد زیور، میک اپ اور لباس اتارنے کا پہننے کا کام کرتی ہے اتنی ہی جلدی عزت بھی اتار کر دوبارہ بھرم کے لئے پہن لیتی ہے اور اس بات کا تجربہ میں نے پہلی بار سترہ سال کی عمر میں کیا تھا اپنی کلاس فیلو کو گھر لا کر اس کے ساتھ وقت گزارا اور پھر مجھے یہ تعلق برا لگا، کیونکہ اس میں اثر نہیں تھا اس لئے جب میری کلاس فیلو نے دوبارہ ایک روز مجھے آفر پیش کی تو میں نے وہ آفر ٹھکرا دی کیونکہ مجھے یہ کام اچھا نہیں لگا تھا تب میرے دوست وکی نے بتایا کہ وہ اتنی خوبصورت نہیں تھی اس لئے مجھے اچھی نہیں لگی ہوگی اور پھر اگلی بار میں نے ایک خوبصورت لڑکی کا انتخاب کیا نئی جوانی اور منفرد پرسنالٹی کا اثر ہی اتنا تھا کہ کوئی بھی لڑکی میری پیشکش کو رد نہیں کر سکتی تھی اور پھر خوبصورت لڑکی کے ساتھ بھی مجھے مزہ نہیں آیا اس طرح میں ایک کے بعد ایک لڑکی کے ساتھ وقت گزار کر وہ چیز تلاش کرنے لگا جو ایک عورت میں ہونی چاہئے تھی اور جو ایک عورت میں ہوتی ہے، مگر وہ چیز مجھے مل کر نہ دے رہی تھی اسی طرح میرا ایکسیڈنٹ ہوا میرے ساتھ اس روز بھی ایک لڑکی تھی وہ میری یونیورسٹی فیلو تھی اور میں نے یونیورسٹی میں اور اپنی دوستوں میں اس کی بہت باتیں سن تھیں کہ وہ بہت الگ قسم کی لڑکی ہے کسی کے ہاتھ نہیں آتی اسی لئے اپنا ہاتھ بڑھا دیا اور وہ آٹومیٹک ہاتھ آ گئی ایکسیڈنٹ کے روز وہ بھی زخمی ہوئی تھی میری ماں کو معلوم ہوا تو میرے باپ کے غصے سے بچنے کے لئے انہوں نے اس لڑکی کو دوسرے ہاسپٹل شفٹ کروا دیا پھر بھی میرے باپ کو پتہ چل گیا وہ میری ماں سے بہت متنفر ہوئے تھے اور ان کو طلاق دینے کا بھی سوچنے لگے اور پھر میں نے ہسپتال میں ہی اس لڑکی کو دیکھا جو پہلے نرس تھی لیکن اب میری بیوی ہے۔''

فریدون مسلسل اپنی داستان سنا رہا تھا اور وہ بہت پرسکون انداز میں بیٹھے سن رہے تھے۔

''تم نے نرس سے شادی کا فیصلہ کیوں کیا، کیا محبت ہو گئی تھی؟''

''نہیں مجھے محبت نہیں ہوئی تھی۔'' وہ ان کے اندازے کے مطابق دوبارہ گفتگو کا سلسلہ جوڑ چکا تھا۔

''مجھے اسے دیکھ کر کسی انوکھے پن کا احساس ہوا تھا۔ اس کی آواز میں ایسا سحر تھا کہ میں پورا دن اسے سوچتا رہا، پھر میں اسے بھول گیا لیکن دوبارہ جب وہ نظر آئی میں اسے بھلا نہ سکا تھا کیونکہ اس میں کچھ تھا کچھ ایسا جس کی مجھے تلاش تھی اور وہ مجھے محسوس بھی ہو گیا کیونکہ میں نے اس کا نام پوچھا تھا اور اس نے انکار کر دیا تھا اور اس کے انکار نے مجھے سمجھا دیا کہ اس لڑکی کے اندر بہت کچھ ہے میں اس کو اپنے قریب کر کے کھوجنا چاہتا تھا اسی لئے ہسپتال سے ڈسچارج ہو کر بھی میں اسے کھوجنے کا خیال نہ جھٹک سکا اور اپنے دوستوں سے باہمی مشورے کے بعد اس سے ملنے گیا اور......

اس کی سڑک کنارے قیمت لگادی اور جواباً اس نے قیمت بتادی لیکن ایک تھپڑ کی صورت میں......اور تب میں چونک گیا اور مجھ پہ ادراک ہوا کہ مجھے کس چیز کی تلاش تھی اور وہ چیز تھی ''نسوانی انا'' یعنی تریاہٹ، عزت نفس، غیرت اور یہ سب میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا کیونکہ میرا آج تک واسطہ ہی ان عورتوں سے پڑا تھا، جو ان چیزوں سے عاری تھیں۔ میں نے اسے تھپڑ کو محسوس کیا تھا اور ساتھ یہ بھی محسوس کیا تھا کہ وہ میری حد سے زیادہ انسلٹ بھی کر چکی ہے۔ اس انسلٹ کا احساس ہوتے ہی میں وہاں سے چلا گیا مگر بعد میں میرے دوست نے اور میری ماں نے مجھے اس انسلٹ کا اتنا احساس دلایا کہ میں انتقام پہ آمادہ ہو گیا میں اسے ایک رات کے لئے اغوا کر کے چھوڑ دینا چاہتا تھا، مگر انہی دنوں اس کے باپ کی ڈیتھ نے میرے ارادوں کو بدل دیا اور میں اس کے لئے ایک الگ سزا تجویز کرنے لگا اس کو سزا دینے کے لئے میں اس سے شادی کرنے کا سوچنے لگا یہ شادی اتنی آسانی سے ممکن نہیں تھی کیونکہ وہ سب میرے اطوار سے واقف تھے۔ اس کے انکل جانتے تھے میرے پرپوزل کو قبول کرنا ذرا مشکل تھا اس لئے میں نے اپنے طور طریقے بدل دیے اس سانچے میں ڈھل گیا، جیسا ان کو چاہئے تھا، لیکن پھر بھی اس لڑکی نے انکار کر دیا اب کی بار حقیقتاً میری غیرت میری مردانگی پہ اس کا انکار گراں گزرا تھا اپنے لئے ہر بار اس کی زبان پہ انکار دیکھ کر مجھے اچھا نہ لگا۔ وہ مجھ سے دوستی نہ کرتی نہ سہی کم از کم شادی کے لئے تو ہاں کر دیتی لیکن پھر بھی میں نے اپنے پیرنٹس کو دوبارہ جانے کے لئے مجبور کر دیا تھا میری ماں کو معلوم تھا کہ میں انتقام کے لئے ایسا کر رہا ہوں لیکن میرے باپ کو احساس تھا کہ میں اس کو پسند کرتا ہوں محبت کرتا ہوں اس لئے بار بار ان کو بھیج رہا ہوں اور وہ اپنے بگڑے ہوئے بیٹے کے سدھر جانے کی خوشی میں کچھ بھی کر سکتے تھے اور پھر ایسا ہی ہوا وہ میرے گھر میں بیاہ کر آ گئی میں خوش تھا اور اس خوشی کو دوستوں کے ساتھ سلیبریٹ کر رہا تھا ڈرنک اور اسموکنگ عروج پہ تھی اپنے پلان کی کامیابی کچھ کم بھی تو نہ تھی اور اسی کامیابی کے احساس میں چور چور میں اپنے کمرے میں گیا اس کا رویہ مجھے آپے سے باہر کر گیا تھا، لیکن اس قدر اذیت دینے کے بعد بھی میں نے اپنی آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھے تھے بلکہ وہ الٹا میرے ہی گھر کو سنوارنے لگی میرے ماں باپ کی عزت کرنے لگی اور مجھے احساس دلائے بغیر میرا بھی خیال کرنے لگی، حالانکہ میں اس کے احساس کا حقدار نہیں تھا کیونکہ میں اسے اذیت دیتا تھا کسی عورت کے لئے یہ اذیت کیا کم ہوگی کہ اس کا شوہر پہلے دوسری عورتوں کے ساتھ رات گزار کر اس کے پاس آتا ہے۔ لیکن پھر بھی میں نے اس کے ماتھے پہ کبھی دکھ اور فکر کی شکن تک نہیں دیکھی۔

اور ایک روز مجھے دیکھ کر علم ہو گیا کہ اس کے ماتھے پہ شکن کیوں نہیں ہوتی کیونکہ وہ عبادت بھی کرتی تھی اللہ سے اپنا رشتہ اور رابطہ بحال رکھتی تھی اور میں جان گیا کہ اسے کس کی سپورٹ حاصل ہے۔ میں نے آج تک اپنے گھر میں کسی کو نماز پڑھتے نہیں دیکھا تھا اسی لئے اس کو نماز پڑھتے دیکھ کر میرے دل کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔ پھر میں چوری چھپے لاشعوری طور پہ اس کے قریب رہنے کی کوشش کرتا پھر وہ پریگنٹ ہو گئی۔ میرے گھر والے خوش تھے وہ بھی مطمئن تھی، یعنی وہ بھی ماں بننے کے لئے تیار تھی۔ اس کے ذہن و دل آمادہ تھے مگر میں آمادہ نہیں تھا میں نے اسے اس کام سے روکنا چاہا مگر روک نہ سکا تھا اور میں ایک بیٹی کا باپ بن گیا۔'' کہتے کہتے فریدون کا لہجہ کانپنے لگا اور آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے تھے۔ گردن جھکائے بیٹھا وہ بہت نادم لگ رہا تھا۔

''جس روز میری بیٹی پیدا ہوئی میں اس روز بھی ایک لڑکی کے ساتھ ایک ہوٹل کے کمرے میں تھا اور اتفاقاً مجھے انکل جمال نے دیکھ لیا تھا وہ کچھ بھی کہے سنے بغیر میری بیٹی اور اپنی بیٹی کو ہسپتال سے سیدھا اپنے گھر لے گئے اور میرا جانا تو کیا میرے ماں باپ کا جانا بھی روک دیا وہ کہتے ہیں

ہم نے ان کو دھوکہ دیا تھا لیکن میں ان کو کئی بار بتانے کی کوشش کر چکا ہوں کہ میں نے ان کو دھوکہ دینے کی کوشش کی تھی دھوکہ دیا نہیں ہے کیونکہ جس لڑکی کو پانے کے لئے میں نے اپنا آپ ایک سانچے میں ڈھال لیا تھا اس کو چھوڑ کر محسوس کر کے میں سچ مچ اسی سانچے کا ہو کر رہ گیا تھا ہاں میں نے عورتوں سے تعلق نہیں توڑا تھا نجانے کیا بات ہے کہ میں ان عورتوں کے ساتھ وقت گزارتا ہوں تو ٹھیک رہتا ہوں لیکن جب اپنی بیوی کے پاس ہوتا ہوں تو میرے اندر پیاس بڑھنے لگتی ہے میں ایک لڑکی کے ساتھ ایک بار ٹائم پاس کرتا ہوں، لیکن اپنی بیوی کے ساتھ ہر رات ہوتا ہوں پھر بھی سیراب نہیں ہو پاتا، میں ان عورتوں کے پاس جاؤں تو رات گزرنے کا پتہ بھی نہیں چلتا اور جب اپنی بیوی کے پاس آتا ہوں تو فوراً سو جاتا ہوں رات بہت بڑی لگتی ہے، ایسا کیوں ہے؟'' وہ سر اٹھا کر ان سے سوال کر بیٹھا۔

''وہ مسکرا دیئے اور اپنا اندازِ نشست بدلتے ہوئے ٹھہرے ہوئے لہجے میں گویا ہوئے۔

''بیٹا ایک بات بتاؤ کیا کبھی سمندر نے ساحل کو سیراب کیا ہے؟'' ان کے جواب میں موجود سوال اسے الجھا گیا تھا۔

''یقیناً سمندر نے ساحل کو کبھی سیراب نہیں کیا ہوگا کبھی اس کی پیاس اس کی تشنگی نہیں مٹائی ہوگی کیونکہ اگر وہ اس کی پیاس مٹا دے تو ساحل سمندر کے سنگ رہنا ہی چھوڑ دے اسی طرح تمہاری بیوی بھی سمندر ہے وہ تمہیں سیراب کرتی ہے لیکن اتنا سیراب نہیں کرتی کہ بعد میں تم اس کی طلب ہی نہ کرو، دیکھو بیٹا ہمیں ایک کھانا اچھا لگتا ہے اگر ہم اسے تھوڑا کھائیں گے تو ہمیں دوبارہ بھوک لگے گی اور اگر پیٹ بھر کر کھائیں گے تو دوبارہ اس کھانے کی طرف دیکھنے کو بھی دل نہیں چاہے گا ایسے ہی تم دوسری عورتوں سے پیٹ بھرتے ہو اور دوبارہ دیکھنا بھی نہیں چاہتے اور رہی بات رات رات بھر جاگنے کی اور اپنی بیوی کے پاس جانے کی تو یہ بھی واضح کر دیتا ہوں کہ جب ایک انسان کانٹوں بھرے بستر پہ لیٹا ہو وہ بھلا کیسے سو سکتا ہے ظاہر ہے رات بھر جاگے گا اور سزا پائے گا اور بیوی کے پاس آکر تمہیں ایک پھولوں سے سجا بستر ملتا ہے، سکون ملتا ہے، نیند تو لازمی آئے گی، کیونکہ نیند کانٹوں پہ نہیں پھولوں پہ آتی ہے۔''

وہ ششدر سا بیٹھا ان کی بات کی گہرائی میں ڈوب چکا تھا یکدم جیسے وہ سناٹے میں آگیا ہو۔

''بیٹا فرق ہے حلال اور حرام کا! حلال انسان کو مطمئن اور سر بلند رکھتا ہے اور حرام انسان کو بے سکون کر کے پچھتاوے کی دلدل میں دھکیل دیتا ہے تم نے تمام عمر حرام میں گزاری لیکن کوئی تمہیں بدل نہ سکا اور کچھ عرصہ حلال کے ساتھ گزار کر تم اپنا سب کچھ بدلنے پہ مجبور ہو گئے بغیر کسی کے کہے تم اپنے آپ کو بدلتے چلے گئے یہی اثر ہے جائز اور ناجائز کا۔ ناجائز کام تباہ و برباد کر دیتا ہے، جائز کام سب کچھ سنوار دیتا ہے۔ تم بھی سنور چکے ہو اور اگر تمہارے اندر سنورنے کی کوئی کمی ہے تو اپنے رب تعالیٰ سے رشتہ بحال کرو اپنا حال کہو، رحم مانگو وہ غفور و رحیم ہے سب معاف کر دے گا۔''

انہوں نے فریدون کے اندر چھپے سب سوالوں کو اکسا کر اجاگر کیا تھا اور اس کے سب سوالوں کے جواب تحمل سے دیئے تھے۔

''میں اپنی بیوی سے شرمندہ ہوں میں اپنے آپ کو معافی کے قابل نہیں سمجھتا۔ میں نے اسے بہت اذیت دی ہے۔''

''تم نیکی کی راہ پہ آ جاؤ وہ ساری اذیت بھول جائے گی اور نیک عورت کبھی شوہر کے حوالے سے دل میں میل نہیں رکھتی۔'' وہ ان کی ہر بات کے اثر میں اور بھی نادم ہو رہا تھا پھر بہت دیر بعد ان سے اجازت لے کر نکل آیا تھا۔



مقبول ہاشمی کو جب معلوم ہوا کہ عین الحق نے دوبارہ نرسنگ جاب جوائن کر لی ہے وہ غصے میں تلملاتے ہوئے فریدون کے کمرے میں آئے مگر قدم باہر ہی تھم گئے۔ وہ سامنے ہی جائے نماز بچھا کر نماز ادا کر رہا تھا انہیں اپنی آنکھوں پہ یقین نہیں آ رہا تھا فریدون اور نماز کی حالت میں؟ اس کو بہت دیر یونہی بت بنے گزر گئی تھی فریدون دعا مانگنے کے بعد ان کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

''میں عین کو لینے جا رہا ہوں آپ چلیں گے؟'' اس کی آواز پہ وہ چونکے ان کا غصہ نجانے کہاں جا سویا تھا وہ کچھ بھی نہ کہہ سکے تھے۔

''نہیں تم جاؤ......'' وہ آہستگی سے بولے۔

''مما کہاں ہیں؟'' وہ باہر نکلتے ہوئے بولا۔

''تم دن میں کہاں تھے؟''

''میں پروفیسر محمد علی کے گھر پہ تھا...... فریدون اطمینان سے جواب دیتا اس کے ساتھ سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ پروفیسر محمد علی پروفیسر ہونے کے ساتھ ساتھ مسجد کے امام بھی تھے انہوں نے سائم کی بہن کے نکاح کا خطبہ پڑھا تھا اور فریدون ان کی باتوں کے زیر اثر بہت دن سوچ میں گم رہا اور پھر ان سے ملنے گیا تھا اور ان سے مل کر اپنے ذہن میں ابھرتے سوالات کے اطمینان بخش روشن جواب پا کر مطمئن ہو چکا تھا۔ ساری گتھیاں سلجھ گئی تھیں سب اسرار کھل چکے تھے۔

''کہاں جا رہے ہو؟'' شارقہ بیگم ملازمہ کے ساتھ کھانا بنوا کر کچن سے نکل رہی تھی جب فریدون کو کوریڈور کی سمت بڑھتے دیکھا۔

''عین کو لینے جا رہا ہوں۔''

''سچ! میں بھی چند روز سے یہی کہنے والی تھی اس کے بغیر گھر بالکل سونا ہو گیا ہے اور اپنی پوتی کو دیکھنے کے لئے تو میرا دل مچل رہا ہے۔'' شارقہ بیگم کے اندر کی روایتی مشرقی عورت اور اس کے جذبات جاگ اٹھے تھے۔ وہ سر ہلا کر باہر نکل آیا تھا اور راستے بھر وہ خود کو عین الحق کے سامنے جانے کے لئے تیار کرتا رہا تھا۔ اپنے آپ کو مضبوط اور مستحکم ظاہر کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

''فریدون آ دنا رک کیوں گئے؟'' عائلہ اور رخسانہ آنٹی سے پہلے سامنا ہوا تھا۔

''السلام علیکم۔'' اس کے سلام کا جواب دے کر رخسانہ آنٹی وہاں سے اٹھ کر چلی گئی تھیں۔ فریدون ان کی ناراضی کا مطلب اچھی طرح سمجھتا تھا۔

''بیٹھو کھڑے کیوں ہو؟'' عائلہ بہت اپنائیت سے پیش آ رہی تھی وہ آہستگی سے بیٹھ گیا تھا۔ عائلہ نے سرتاپا دیکھا۔

''انکل کہاں ہیں؟''

''وہ ہسپتال میں ہیں۔'' عائلہ نے مختصر جواب دیا تھا۔

''عین کہاں ہے؟''

''وہ تو اوپر بیڈروم میں ہے۔''

''میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔'' وہ بمشکل کہہ سکا تھا۔

''تم اس سے نہیں مل سکتے، یہ میرا فیصلہ ہے جمال شاہ کا، سمجھے تم۔'' اچانک ڈرائنگ روم میں جمال شاہ کی آواز گونجی اور وہ یکدم کھڑا ہو گیا۔

''السلام علیکم۔'' وہ غصے میں اس کے سلام کو بھی نظر انداز کر گئے تھے۔

''تمہیں یہاں قدم رکھنے کی بھی جرات کیسے ہوئی یہ میرا گھر ہے تمہارا کوئی ہوٹل یا کلب نہیں جہاں تم جب چاہے چلے آؤ۔'' جمال شاہ اس وقت حقیقتاً ایک بیٹی کے باپ کی طرح غصے میں بپھرے ہوئے تھے۔

''میں شرمندہ ہوں انکل میں آپ سب کا مجرم ہوں مجھے پلیز ایک بار معاف کر دیں میں عین کو اب کبھی کوئی تکلیف نہیں ہونے دوں گا، یہ میرا وعدہ ہے۔'' وہ ان کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا تھا اور رخسانہ آنٹی تعجب اور بے یقینی سے دیکھنے لگی تھیں عائلہ کو بھی حیرانی ہوئی تھی۔

''ایک نیا فریب ایک نیا دھوکہ دینا چاہتے ہو؟''

''نہیں انکل میں اپنے دامن سے سب کانٹے جھٹک کر آیا ہوں اب عین کے ساتھ چلتے ہوئے کبھی بھی میرے قدم نہیں ڈگمگائیں گے میں ثابت قدم رہوں گا، آپ میرا یقین کریں پلیز......''

''مجھے تم جیسے لوفر پہ کوئی یقین نہیں اب میں تم سے عدالت میں ہی ملوں گا اور ہاں تم جا سکتے ہو یہاں سے۔'' جمال شاہ نے اس کے بندھے ہاتھوں کو بھی قابل رحم نہ جانا تھا۔ فریدون التجا کر کے ہار گیا، لیکن جمال شاہ ماننے کو تیار نہیں تھے۔ وہ تھک ہار کے پلٹ گیا۔

''ٹھہرو فریدون۔'' رخسانہ آنٹی کی آواز پہ اس کے قدم تھمے لیکن عائلہ اور جمال شاہ چونک گئے تھے۔

''عین اوپر ہے تم جانے سے پہلے اس سے مل آؤ......'' انہوں نے اشارہ کیا تھا فریدون کے مرجھائے اترے اُترے چہرے پہ چمک دوڑ گئی تھی۔ زندگی کی نوید مل گئی تھی اس نے آنٹی کو مشکور نظروں سے دیکھا تھا۔

''یہ تم......''

''پلیز کچھ دیر کے لئے اپنے غصے پہ کنٹرول کر کے دیکھیں بہت کچھ سلجھا ہوا نظر آئے گا اور ہاں یہ بھی سوچ لیں کہ آپ کی بیٹی کیا چاہتی ہے؟'' رخسانہ آنٹی نے ان کو مزید کچھ کہنے سے روک دیا تھا اور فریدون فوراً سیڑھیاں پھلانگ کر اس کمرے تک آ گیا جس کی عائلہ نے نشاندہی کی تھی۔ دستک دینے سے قبل اس کے ہاتھ کانپ گئے تھے۔

''کون نومی، اندر آ جاؤ یہ اٹھ گئی ہے۔'' عین کی کچھ مصروف سی آواز ابھری تھی دروازہ کھول کر وہ اندر آ گیا تھا۔

چند سیکنڈ خاموشی کی نذر ہوئے تو عین نے مڑ کر دیکھا کہ آنے والا آیا کیوں نہیں، مگر نومی کے بجائے اسے دیکھ کر وہ اپنی جگہ جم کے رہ گئی فریدون اسے ہی دیکھ رہا تھا اس کے ہاتھوں میں گلابی، سفید اور چند اور رنگوں کی چھوٹی چھوٹی فراکیں تھیں خود وہ آف وائٹ سوٹ میں ملبوس گلے میں دوپٹہ ڈالے کھڑی تھی بالوں کی ریشمی لٹیں چہرے پہ بکھر کر اس کی مصروفیت کا اعلان کر رہی تھیں اور فریدون کو وہ پہلے سے بھی زیادہ دلکش اور خوبصورت لگ رہی تھی۔ ماں بننے کے دور سے گزر کر وہ اور زیادہ نکھر گئی تھی زیادہ دیر وہ اسے نگاہ میں نہیں بھر سکا تھا تب ہی آنکھیں جھکا کر قریب آ گیا اور سلام

کیا۔ وہ اس کے سلام کا جواب دے کر ذرا سا رخ پھیر گئی۔

"میں تمہیں لینے آیا ہوں۔" اس کی دھیمی آواز میں کہی بات پہ وہ یکدم اس کی سمت پلٹی تھی۔

"کس لئے؟ پہلے تو انتقام کیلئے لے کر گئے تھے۔ اب کس لئے لے کر جانا چاہتے ہیں؟"

"اب اس لئے کہ تم مجھ سمیت میرے گھر کی بھی مالک ہو اور مالکوں کے بغیر چیزیں خراب ہو جاتی ہیں جتنا دھیان اپنی چیز کا مالک رکھ سکتا ہے اتنا کوئی بھی نہیں رکھ سکتا۔"

"ہونہہ پہلے اپنے طور طریقوں سے دھوکہ دیا اب باتوں سے دینا چاہتے ہیں؟" عین کو فریدون کی کمی کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی لیکن جس روز ڈلیوری ہوئی اس روز اپنے کمرے میں درد سے تڑپتے ہوئے اسے فریدون کی کمی محسوس ہوئی تھی اس کی غیر موجودگی پہ دکھ ہوا تھا اور پھر بیٹی کی پیدائش کے بعد بھی وہ نہیں آیا تھا، نہ ہی اس نے اپنی بیٹی اور بیوی سے ملنے کی کوشش کی تھی۔

"مجھے معاف کر دو عین الحق میں بہت شرمندہ ہوں۔" وہ اس کے قدموں میں بیٹھ چکا تھا اور عین چکرا گئی۔

"یہ...... یہ...... آپ کیا پلیز ایسا مت کریں۔" وہ گھبرا کر لڑکھڑاتے لفظوں میں بولی۔

"نہیں عین الحق میں تمہارے دل کو بہت دکھا چکا ہوں بہت اذیت دی ہے، میں نے بہت زخم لگائے ہیں تمہیں میں تمہاری کسی اذیت کا مداوا نہیں کر سکتا، میں بہت برا ہوں، بہت گھٹیا ہوں تمہارے قابل نہیں تھا، لیکن پھر بھی تم مجھے مل گئیں میں نے تمہاری قدر نہیں کی تمہیں پہچان نہیں سکا پلیز میری خطائیں معاف کر دو۔" وہ اس کے پاؤں پکڑے معافی کا طلب گار تھا عین الحق کی ٹانگیں لرزنے لگیں شوہر کو اپنے پاؤں پکڑے دیکھ کر اوسان خطا ہو رہے تھے دماغ گھوم چکا تھا۔ اس نے فریدون کے کندھے پہ اپنا ٹھنڈا یخ ہاتھ رکھا ہی تھا کہ فریدون یکدم رو پڑا۔

"میں، میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں عین الحق......" "میں تمہیں کبھی چھوڑ نہیں سکتا۔ میرا یقین کرو میں نے سب کچھ چھوڑ دیا ہے۔" وہ اپنے ہاتھ کو چومتے اور والہانہ انداز میں روتے ہوئے فریدون کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

"میرا کمرہ، میرا گھر، میرا دل سب تمہارے میں انتظار میں ہیں پلیز کبھی ان تینوں کو خالی مت کرنا پلیز عین الحق میں نے بہت عذاب سہا ہے۔" عین کا ہاتھ اس کے آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

"یہ پانی پی لیں......" وہ اس کے سامنے سے ہٹ کر اسے پانی کا گلاس تھما رہی تھی اور پانی کے چند گھونٹ پینے کے بعد بھی وہ اسی طرح اس کے سامنے دوزانو بیٹھا تھا۔

"مجھے معاف کر دو عین الحق۔" وہ روتے ہوئے ہاتھ جوڑ چکا تھا۔ عین الحق نے روتے ہوئے فریدون کے ہاتھوں کو دیکھا اور احساس ہوا کہ وہ حقیقتاً سب کدورتیں سب غلاظتیں دھو کر آیا ہے اور اجلا شفاف اور پاکیزہ دل لے کر آیا ہے اور ایسے دل میں رہنے سے عین الحق کو کوئی انکار کوئی اعتراض نہیں تھا اس نے حال کے اچھے انسان کے برے ماضی کو نظر انداز کر کے اپنی معافی، محبت اور وفا کا حق دار ٹھہرا دیا تھا ایک عورت ایک مسلمان اور مشرقی عورت کی طرح وہ بھی اپنے شوہر سے اتنی بدسلوکی سے پیش نہیں آ سکتی تھی اور نہ ہی اتنی آسانی سے ناتا توڑ سکی تھی اور وہ توڑتی بھی کیوں آخر

وہ نادم تھا پشیمان ہو رہا تھا اور سب کچھ چھوڑ کر اسے ترجیح دے رہا تھا اور سب سے بڑی بات کہ وہ اپنی محبت کا اعتراف کر رہا تھا، اظہار کر رہا تھا۔

''میرے بابا کہتے تھے رونا نہیں چاہیے بلکہ دعا کرنی چاہئے کیونکہ دعا سے دل مضبوط رہتا ہے اور آنسوؤں سے کمزور پڑ جاتا ہے آنسو سامنے والے کو بھی کمزور کر دیتے ہیں۔'' اس نے اپنے دوپٹے کے پلو سے اس کے آنسو پونچھ دیئے۔ فریدون نے چہرہ جھکا لیا۔

''تم بہت عظیم ہو عین الحق۔''

''میں عظیم نہیں ہوں، میرے بابا عظیم تھے۔'' وہ یکدم شگفتہ لہجے میں بولی ہونٹوں پہ مسکراہٹ بکھر چکی تھی۔ اس نے اس مسکراہٹ کو دل و نظر کی گہرائیوں میں جذب کر لیا۔

''ہاں وہی عظیم تھے جنہوں نے تمہاری اتنی اچھی تربیت کی......'' اس نے کہتے ہوئے عین الحق کو حصار میں لے لیا۔

''آئی لو یو سو مچ عین......'' آئی لو یو سو مچ۔'' وہ اسے بھینچ چکا تھا۔ تب ہی رونے کی آواز پہ دونوں چونک گئے۔

''یہ میری بیٹی کی آواز ہے نا؟'' اشتیاق فریدون کے انگ انگ میں سما گیا تھا۔

''جی نہیں، یہ ہماری بیٹی کی آواز ہے۔'' عین چڑ گئی۔ وہ ہنستا ہوا آواز کے تعاقب میں کاٹ تک گیا اور پھر خوشی سے چلانے لگا۔

''یہ تو مجھ جیسی ہے، سیم میری کاپی ہے۔'' وہ آنکھیں جھپک جھپک کر اپنی ننھی منی شہزادی کو دیکھ رہا تھا اور جب چومنے پہ آیا تو اس نے بچی کو بوکھلا کے رکھ دیا۔

''پاگل ہو گئے ہیں؟'' عین نے روکنا چاہا۔ دو ماہ کی بچی گھبرا گئی تھی اتنا شدید پیار پہلی بار جو ملا تھا۔

''تمہیں کیا پتہ یہ میرے لئے کیا ہے؟'' وہ اس کے گالوں کو چوم رہا تھا۔

''یہ تمہارے لئے وہی ہے جو عین الحق ہمارے لئے ہے۔'' رخسانہ آنٹی کی آواز پہ فریدون پلٹا تھا......

''آنٹی میں آپ کا بہت بہت احسان مند ہوں تھینک یو سو مچ ورنہ آج یقیناً میں کچھ کر گزرتا۔''

''میں نے کچھ نہیں کیا بس اپنی بیٹی کے گھر کو بسانے کی کوشش کی ہے کیونکہ مائیں بیٹیوں کے گھر اجڑتے نہیں دیکھ سکتیں اور ہاں یہ آخری چانس ہے اس کے بعد کبھی معافی کی گنجائش مت رکھنا اور ہماری بیٹی کے ساتھ اپنی بیٹی کو بھی بھول جانا۔'' وہ وارننگ دے رہی تھیں۔ وہ سر جھکا کر سنتا رہا۔

''پھر بھی میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔'' وہ ان کے سامنے جھکا اور رخسانہ آنٹی نے خفگی جھٹک کر خوش دلی سے اس کے ماتھے پہ بوسہ دیا۔

''آج احساس ہوا ہے کہ آپ میری ساسو ماں ہیں۔''

''بدتمیز......'' وہ شرارت سے ہنسا۔ انہوں نے چپت جو دے ماری تھی۔

''میں اسے لے کر نیچے جا رہی ہوں تم بھی آ جاؤ۔'' وہ چلی گئیں اور تھوڑی دیر بعد وہ تیار ہو کر نیچے آ چکے تھے۔ اس نے دوبارہ جمال شاہ اور عائلہ سے معافی مانگی۔ ایاز بھی عائلہ کو لینے کے لئے آ چکا تھا۔ دونوں کی ملاقات پہلی بار یوں روبرو ہو رہی تھی۔

''آپ لوگ کل شام ہمارے ہاں ڈنر پہ آ رہے ہیں۔'' فریدون نے عائلہ ایاز اور انکل جمال کی فیملی کو اپنے گھر انوائٹ کر لیا۔

''اچھا بیٹا، کل بات ہوگی تم لوگ جاؤ ٹائم کافی ہو چکا ہے۔ بھائی اور بھابی انتظار کر رہے ہوں گے۔'' رخسانہ آنٹی نے وقت کا احساس کرتے ہوئے کہا کیونکہ فریدون فون پہ اپنے اور عین الحق کے آنے کی اطلاع دے چکا تھا۔

''او کے اللہ حافظ'' وہ سب سے مل کر گاڑی تک آگئے انہوں نے عین کو کافی تحائف دے کر رخصت کیا تھا......

......

دور تک بچھی سیاہ تارکول کی سڑک اس وقت رات کے گھور اندھیرے میں گاڑی کی تیز روشنیوں سے اور زیادہ سیاہ اور چکنی محسوس ہو رہی تھی انتہائی ہموار سطح پر پھسلتی گاڑی کو ڈرائیو کرتے ہوئے وہ بہت پرسکون اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں تھمے اسٹیئرنگ میں ایک توازن تھا ہر چیز اپنے اپنے مقام پہ خوبصورت اور اچھی لگ رہی تھی۔ اپنے چہرے پہ نظروں کو محسوس کر کے فریدون ہلکے سے مسکرایا اور بغیر اس کی طرف دیکھے مخاطب ہوا تھا۔

''کیا دیکھ رہی ہو؟''

''آپ شلوار سوٹ میں بہت اچھے لگ رہے ہیں۔''

''یہ تو گھر جا کر بیڈ روم میں ہی فیصلہ ہوگا کہ میں کتنا اچھا لگ رہا ہوں۔'' اس کی ذومعنی بات پہ وہ بلش ہوگئی تھی۔ اس نے شرم سے سرخ پڑتا چہرہ جھکا لیا تھا۔ اور اس کے چہرے پہ شرم کی سرخی بکھرتے دیکھ کر فریدون کو ان عورتوں پہ حیرت اور افسوس ہوا جو غیر اور نامحرم مردوں کے سامنے بھی ہر شرم و حیاء کو پار کر جاتی تھیں جائز رشتہ تو دور کی بات وہ ناجائز رشتے میں بھی کھلم کھلا پیش آتی تھیں تب ہی وہ سب کچھ کر لینے کے بعد بھی فریدون جیسے اور بھی ہزاروں مردوں کے دل میں اترنے میں ناکام تھیں کیونکہ پاکیزہ مقام پاکیزہ ہستی ہی پا سکتی تھی جیسے عین الحق اس کے بائیں پہلو میں بیٹھی تھی اور وہ اسے دیکھ دیکھ کر سرشار ہو رہا تھا اور اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا جس نے اسے صراطِ مستقیم کا راستہ دکھایا۔

''کیا سوچ رہے ہیں؟'' اب وہ مخاطب ہوئی۔

''یہی کہ اپنی بیٹی کو کون سے سکول میں اور کالج بھیجنا ہے۔'' اس کے جواب پہ دونوں یکدم بیک وقت ہنس پڑے۔ اس نے جھک کر عین کی گود میں سوئی بچی کو پیار کیا اور سپیڈ بڑھا دی، کیونکہ گھر پہ ان کا انتظار کیا جا رہا تھا مقبول ہاشمی اور شارقہ بیگم فون بھی کر چکے تھے۔ عین نے اس کے کندھے پہ سر ٹکا دیا اور اس نے مسکراتے ہوئے ڈرائیونگ سنبھالی کیونکہ موبائل کی بیل دوبارہ بج اٹھی تھی۔

